بشریتِ انبیاءؑ
حضرات انبیاءؑ کے مرتبۂ بشریت کی تحقیق و تفصیل
قرآن مجید کی روشنی میں
مولانا عبدالماجد دریابادیؒ
مجلس نشریات اسلام
۱-کے-۳، ناظم آباد مینشن، ناظم آباد، کراچی

فہرست مضامین

پیش لفظ

عم محترم مولانا عبدالماجدؒ دریابادی نے تفسیر قرآن انگریزی اور اردو کی تکمیل کے بعد قرآنیات سے متعلق چند رسائل مرتب کر کے شائع فرمائے تھے۔ انہیں میں یہ رسالہ بشریت انبیاء بھی تھا۔ پہلا ایڈیشن صدق جدید بک ایجنسی لکھنؤ نے شائع کیا تھا۔ یہ ایڈیشن عرصہ ہوا ختم ہو چکا تھا۔ اپنی اس کتاب کے بارے میں مولاناؒ نے جو کچھ اپنی آپ بیتی میں تحریر فرمایا تھا حسب ذیل ہے:۔

"ایک اور نئی بالکل نئی چیز ان سب (سیرت نبوی قرآنی، الحیوانات فی القرآن وغیرہ) کے بعد حال ہی میں تیار ہو کر نکلی ہے۔ فضائل انبیاء سے اردو لٹریچر بھرا ہوا ہے لیکن اس کے مقابل کی چیز یعنی بشریت انبیاء کی طرف شاید کسی کا بھی ذہن ہی نہیں منتقل ہوا اور لازمی طور پر لوگوں کے دماغ غلو فی العقیدت سے لبریز ہیں۔ بڑی ضرورت اس میں اعتدال پیدا کرنے کی تھی تاکہ عقیدۂ توحید کمزور و مجروح نہ ہونے پائے۔ اللہ کے فضل و کرم نے دستگیری کی اور ۱۹۵۹ء یا ۱۹۶۰ء میں "بشریت انبیاء قرآن مجید میں" کے عنوان سے ایک کتاب اوسط ضخامت کی چھپ کر تیار ہو گئی۔" (آپ بیتی ماجدی صفحہ ۱۰۴)

مولاناؒ کی یہ کتاب جو اپنے موضوع پر منفرد اور وقت کی ایک اہم ضرورت کو پورا کرتی تھی خاصی مقبول ہوئی اور ملت کے اہل نظر نے اسے بڑی قدر کی نظر سے دیکھا۔ ساتھ ہی عقیدت میں غلو رکھنے والوں اور خدا و شریعت "خوش عقیدگی" کے پردہ میں تجاوز کرنے والوں نے اس کتاب پر مخالفانہ اظہار رائے بھی کیا۔

حکیم عبدالقوی دریابادی ایڈیٹر صدق جدید

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دیباچہ

حضرات انبیاء کے فضائل ومناقب پر اتنا زیادہ لکھا جا چکا ہے کہ اب اس پر اضافہ کی بظاہر کوئی شکل نظر نہیں آتی۔ بلکہ اکثر پچھلوں نے تو محض اگلوں کی تحریروں کو دہرا دینے کو کافی سمجھ لیا ہے۔

یہ لَے اتنی بڑھی کہ مسئلہ کے دوسرے رُخ پر پردے پڑ گئے۔ اور قرآن مجید نے توحید باری کے خالص وبے آمیزش رکھنے پر اتنا زور دیا کہ وہ پہلو نظروں سے غائب ہی ہو گیا۔ اور دلوں میں عقیدہ کچھ ایسا قائم ہونے لگا کہ جیسے حضرات انبیاء حدود بشریت سے متجاوز ہو کر مرتبۂ الوہیت پر فائز بھی نہ تھے، جب بھی قریب بہ الوہیت تو ضرور پہنچ گئے تھے۔ اور خیر، حضرات انبیاء کا درجہ تو پھر بلند ہے، خوش عقیدگی کے غلو میں ہر ولی، ہر صدیق ہر بزرگ کو بشری تقاضوں سے ماوراء سمجھا جانے لگا۔ گویا وہ اس کی چیز ہی نہیں، کہ بھوک پیاس انہیں ستائے، گرمی سردی سے متاثر ہوں، کسی پر غصہ کریں۔ کسی سے ڈریں یا بھاگیں۔ اور کوئی شے بھی ان کے احاطۂ علم سے باہر ہو۔

اس قسم کے عقائد، شریعت اسلامی اور قرآن مجید کی صحیح تعلیمات کے یکسر منافی ہیں اور دلوں میں ربّ العزت کی جو عظمت قائم ہونا چاہیے اس میں مُخل۔ قرآن مجید نے حضرات انبیاء کو، اکابر انبیاء کو، محض بشر بنا کر پیش کیا ہے۔ اور اُن کی بشریت کے ایک ایک جزئیہ کو نمایاں کیا ہے۔ اس عاجز نے جب دیکھا کہ بڑے بڑے اہل علم اس مسئلہ میں خاموش ہیں، اور غلط عقیدوں کے طومار پر طومار لگتے چلے جا رہے ہیں، تو اپنی بے بضاعتی کے پورے احساس کے باوجود خود ہی اس موضوع پر قلم اٹھانے کی جرأت کی، اور چند باب قائم کر کے ان کے ماتحت قرآنی تصریحات اس بارے میں نقل کر دیں۔ اللہ اس کے صحیح حصے کو خلق کے حق میں نافع اور اُن کے درمیان مقبول بنائے۔ اور جو حصہ بندہ کی خطا و کج فہمی سے شامل ہو گیا ہو، اُس سے درگزر فرمائے۔

مضمون کی نوعیت ایسی ہے کہ ایک ہی آیت کی تکرار مختلف عنوانوں کے ماتحت بعض اوقات ناگزیر ہو گئی ہے۔

عبدالماجد

دریاباد، بارہ بنکی
جولائی ۱۹۵۹ء
محرم ۱۳۷۹ھ

باب ①

عبدیت، بشریت، مسئولیت

مشرک قوموں کو بڑی اور اصلی ٹھوکر قبول رسالت کی راہ میں، انبیاء ؑ کی بشریت ہی سے لگی ہے۔ وہ اوتار یا مظہر خدا کا عقیدہ تو سمجھ سکتے تھے اس مظہر خدا کی پرستش بھی ان کی سمجھ میں آجاتی تھی۔ لیکن یہ ماننے یا سمجھنے کو کسی طرح تیار نہ ہوتے تھے، کہ کسی انسان کو ہادی یا رہبر تو کہا جائے، لیکن پرستش و عبودیت صرف ایک ان دیکھے خالق و پروردگار کا حق محفوظ رہے۔ "مسیح اگر سچے ہیں، اور اُن پر ایمان لانا واجب ہے تو بس عبادت کے بھی حقدار وہی ٹھہرے۔" یہ اُلٹی منطق اُن کے دماغ کے رگ و ریشے میں پیوست کئے ہوئے تھی۔ قرآن مجید نے اس عقیدہ پر ضرب بار بار اور مختلف پیرایوں میں لگائی۔

کہیں ارشاد ہوا کہ:

① مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّؤْتِيَهُ اللّٰهُ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ثُمَّ يَقُوْلَ لِلنَّاسِ كُوْنُوْا عِبَادًا لِّيْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ (آل عمران، ع ۸)

کسی بشر کے لئے یہ ممکن نہیں کہ اللہ تو اُسے کتاب اور فہم اور نبوّت عطا کرے اور وہ لوگوں سے کہنے لگے کہ تم میرے بندے بن جاؤ اللہ کو چھوڑ کر۔

اور کہیں یوں ارشاد ہوا کہ یہ تو ممکن ہی نہیں کہ اللہ مرسلین و ملائکہ کی عبادت کا حکم دے۔ یہ تو صاف تعلیم کفر کی ہوئی۔

② وَلَا يَاْمُرَكُمْ اَنْ تَتَّخِذُوا

اللہ تمہیں یہ حکم نہیں دیتا کہ تم فرشتوں او

اَلْمَلٰٓئِكَةَ وَالنَّبِيّٖنَ اَرْبَابًا ط اَيَاْمُرُكُمْ بِالْكُفْرِ بَعْدَ اِذْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ○ (آل عمران، ع ۸)

پیمبروں کو پروردگار ماننے لگو۔ کیا وہ تمہیں حکم کفر کا دے گا، بعد اس کے کہ تم مسلمان ہو چکے ہو؟

بشریت، اس مشرکانہ منطق میں، منافی تھی رسالت و نبوّت کے۔ وہ ہادی ہو کیونکر سکتا ہے، جو بشر ہے؟ طنز و تعریض کے ساتھ، ہر دَور کے مشرکین، یہی سوال بار بار پیش کرتے رہے ہیں۔ قرآن مجید نے بھی یہ حکایت دہرا دہرا کر نقل کی ہے۔

(۳) ذٰلِكَ بِاَنَّهٗ كَانَتْ تَّاْتِيْهِمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَقَالُوْٓا اَبَشَرٌ يَّهْدُوْنَنَا ط (التغابن۔ ع ۱)

یہ (عذاب الٰہی) اس لئے ہوا کہ اُن کے پاس اُن کے پیغمبر کھلی ہوئی نشانیاں لے کر آئے تھے تو یہ (حیرت و انکار سے) کہتے تھے کہ کیا ہماری ہدایت کوئی بشر (محض) کرے گا۔

یہ اپنے پیمبروں کے منہ پر کہتے، کہ تم کیا ہو، بجز اس کے ایک ہمارے ہی جیسے بشر ہو (اور بشر بھی کہیں بشر کا ہادی ہو سکا ہے؟)

(۴) قَالُوْٓا اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا (ابراہیم۔ ع ۲)

تم اور ہو کیا، سوا اس کے کہ ہم ہی جیسے ایک بشر ہو۔

(۵) قَالُوْا مَآ اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا (یٰس۔ ع ۲)

تم اور ہو کیا، سوا اس کے کہ ہم ہی جیسے ایک بشر ہو۔

حضرت صالحؑ پیمبر برحق ہوئے ہیں، اُن سے کہا۔

(۶) مَآ اَنْتَ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا (الشعراء۔ ع ۸) تم بس ہم جیسے ایک بشر ہی تو ہو۔

اور اسی گستاخانہ لہجے میں دوسرے پیمبر برحق حضرت شعیبؑ سے بولے۔

(۷) وَمَآ اَنْتَ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا (الشعراء ع) اور تم ہم جیسے ایک بشر ہی تو ہو۔

اور جب سامنے کہنے میں یہ دیدہ دلیری تھی، تو پیچھے کہنے میں کیا باک ہو سکتا تھا،

ایک دوسرے سے کہتے :

(۸) اَبَعَثَ اللّٰہُ بَشَرًا رَّسُوْلًا ○ (بنی اسرائیل ۔ ع ۱۱)

کیا خدا نے رسول بنا کر ایک بشر کو بھیجا ہے ؟

اور کہیں یوں آپس میں چرچے کرتے ۔

(۹) ھَلْ ھٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُکُمْ (الانبیاء ۔ ع ۱)

یہ (مدعی نبوت) بس ایک بشر ہی تو ہیں، تم ہی جیسے ۔

نوحؑ جیسے پیمبر جلیل القدر کی یوں آپس میں ہنسی اُڑاتے ۔

(۱۰) مَا ھٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُکُمْ یُرِیْدُ اَنْ یَّتَفَضَّلَ عَلَیْکُمْ (المومنون ع ۲)

یہ شخص تو بس ایک بشر ہے تم ہی جیسا چاہتا یہ ہے کہ تم سے برتر ہو کر رہے ۔

حضرت نوحؑ کے بعد ایک اور پیغمبر برحق آئے ۔ اُن بیچارے کی یوں خرابی لگائی گئی ۔

(۱۱) مَا ھٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُکُمْ یَاْکُلُ مِمَّا تَاْکُلُوْنَ مِنْهُ وَیَشْرَبُ مِمَّا تَشْرَبُوْنَ ○ وَلَئِنْ اَطَعْتُمْ بَشَرًا مِّثْلَکُمْ اِنَّکُمْ اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ ○ (المومنون ۔ ع ۳)

بس یہ تو ایک بشر ہیں تم ہی جیسے ۔ کھاتے وہی ہیں جو تم کھاتے ہو اور پیتے وہی ہیں جو تم پیتے ہو ۔ اور اگر کہیں تم اپنے ہی جیسے ایک بشر کے کہنے پر چلنے لگے تو تم تو (بالکل ہی) گھاٹے میں آگئے !

پھر جب سینکڑوں ہزاروں برس بعد حضرت موسیٰؑ و ہارونؑ پیمبری کا نشان لے کر پہنچے تو فرعون اور فرعونیوں کو قبولِ حق کی راہ میں بڑی دشواری اِن داعیانِ حق کی بشریت ہی نظر آئی ۔

(۱۲) فَقَالُوْٓا اَنُؤْمِنُ لِبَشَرَیْنِ مِثْلِنَا وَقَوْمُھُمَا لَنَا عٰبِدُوْنَ ○ (المومنون ۔ ع ۳)

وہ بولے، کیا ہم ان دونوں پر ایمان لے آئیں جو ہم ہی جیسے بشر ہیں ۔ درآنحالیکہ اُن کی قوم ہماری محکوم ہے !

اس سارے طنز و تعریض، تکذیب و انکار، تمسخر و استہزار کے جواب میں یہ کبھی ایک بار بھی نہ ہوا، کہ اُدھر سے اصل حقیقت کے اظہار میں کچھ بھی ضعف آیا ہو، یا بشریت انبیار کے مرکزی اور کلیدی عقیدے میں کہیں سے کچھ بھی کمزوری پیدا ہونے پائی ہو، بلکہ پیمبروں کی زبان سے صاف صاف اور دھڑلے سے کہلایا گیا، کہ بیشک ہم بشر ہی ہیں، اور تم ہی جیسے بشر۔

(۱۳) قَالَتْ لَهُمْ رُسُلُهُمْ اِنْ نَّحْنُ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ (ابراہیم۔ ع ۲) — ان کے پیمبروں نے اُن سے کہا کہ بے شک ہم بشر ہی ہیں، تم ہی جیسے۔

سرور انبیار کو ارشاد خصوصی اس کا ہوا ہے کہ اپنی بشریت کا اعلان کرتے رہیں۔

(۱۴) قُلْ سُبْحَانَ رَبِّيْ هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا ○ (بنی اسرائیل ع ۱۱) — آپ کہدیجئے، کہ سبحان اللہ۔ میں بجز اس کے اور ہوں کیا، کہ بشر ہوں، رسول ہوں۔

دوسری بار، اور تیسری بار ایسا ہی تصریحی اعلان بشریت کا حکم ملا۔

(۱۵) قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى اِلَيَّ (الکھف۔ ع ۱۲) — آپ کہہ دیجئے کہ میں تو تم ہی جیسا ایک بشر ہوں (بس فرق یہ ہے کہ) مجھ پر وحی آتی ہے۔

(۱۶) ایضاً (حٰمٓ السجدہ۔ ع ۱) (ایضاً)

وصف بشریت ہی سے ملا ہوا ایک پہلو وصف عبدیت کا ہے۔ مشرکوں کی سمجھ میں یہ عبدیت کا پہلو بھی کبھی نہیں آیا۔ ہر بزرگ، مقدس ہستی، اُن کے خیال میں، بہر حال فوق البشر ہوگی۔ اور جب فوق البشر ہوگی۔ تو عبدِ محض کیسے ہو سکتی ہے؟ لامحالہ یا تو خدا ہوگی یا نیم خدا، دیوتا یا دیوی۔ اور اس حیثیت سے۔ خالق یا فاطر نہ سہی، لیکن کسی درجہ میں معبود و حاجت روا تو ضرور ہی ہوگی۔ قرآن مجید نے مشرکانہ منطق کے اس مغالطہ کی تردید قدم قدم پر کی ہے، اور پیمبروں کی عبدیت کا اثبات شد و مد سے کیا ہے۔

سب سے زیادہ قوت و شدت کے ساتھ انکار شاید حضرت مسیحؑ کی عبدیت کا کیا گیا ہے، اور مسیحیوں نے آپؑ کو بجائے عبد کے معبود کے درجہ پر رکھا ہے۔ اس لئے آپ کے نام کی تصریح اس سلسلہ میں اور ضروری تھی۔ ارشاد ہوا ہے،

(۱۷) لَنْ يَّسْتَنْكِفَ الْمَسِيْحُ اَنْ يَّكُوْنَ عَبْدًا لِلّٰهِ — مسیحؑ کو اس سے (ذرا بھی) عار نہیں کہ وہ اللہ کے عبد ہوں۔ (النساء ع ۲۴)

اور مزید تاکید کے لئے اس وصف کو خود آپؑ کی زبان سے دہرایا ہے۔ آپ نے شروع ہی میں اپنی زبان سے کہہ دیا۔

(۱۸) اِنِّىْ عَبْدُ اللّٰهِ اٰتٰنِىَ الْكِتٰبَ وَجَعَلَنِىْ نَبِيًّا ○ — میں تو اللہ کا عبد ہوں۔ اُسی نے مجھ کو کتاب دی اور اسی نے مجھے نبی بنایا۔ (مریم - ع ۲)

یہ اثبات عبدیت، دوسرے پیمبروں کے حق میں بھی ان کے نام کے ساتھ ہے۔ چنانچہ حضرت زکریاؑ کے سلسلہ میں ہے،

(۱۹) ذِكْرُ رَحْمَتِ رَبِّكَ عَبْدَهٗ زَكَرِيَّا ○ — یہ تذکرہ ہے آپ کے پروردگار کی مہربانی کا اپنے عبد زکریاؑ پر۔ (مریم - ع ۱)

اور نبی قدیم حضرت نوحؑ کے ذکر میں ان کا نام لینے کے بعد ہے۔

(۲۰) اِنَّهٗ كَانَ عَبْدًا شَكُوْرًا ○ — بے شک وہ ایک عبد شکر گزار تھے۔

(بنی اسرائیل - ع ۱)

ایسی ہی صراحت داؤد نبیؑ کے لئے بھی ہے، جو دنیوی جاہ و حشمت کے لحاظ سے بھی پُر قوت تھے۔

(۲۱) وَاذْكُرْ عَبْدَنَا دَاوٗدَ ذَا الْاَيْدِ اِنَّهٗۤ اَوَّابٌ ○ — ہمارے عبد داؤدؑ بڑی قوت والے کو یاد کیجئے، وہ بہت رجوع ہونے والے تھے۔ (ص - ع ۲)

معاً بعد، آپ کے فرزند سلیمانؑ ذی شان کا بھی ذکر اس وصف کے ساتھ ہے۔

(۲۲) وَ وَهَبْنَا لِدَاوٗدَ سُلَیْمٰنَ ؕ نِعْمَ الْعَبْدُ ؕ اِنَّهٗۤ اَوَّابٌ ○ (صٓ۔ ع ۳)
اور ہم نے داؤدؑ کو سلیمانؑ عطا کیا، کیا اچھے عبد تھے، بہت رجوع ہونے والے تھے۔

پھر ذکر ایوب علیہ السّلام کا ہے۔ اُن کی پیشانی بھی اسی عبدیت کے تمغے سے مُزیّن ہے۔

(۲۳) وَاذْكُرْ عَبْدَنَاۤ اَیُّوْبَ (صٓ ع ۴)
یاد کیجئے ہمارے عبد ایوبؑ کو۔

دوبارہ اُن کی مدح پھر اسی وصف کے ساتھ آئی ہے،

(۲۴) نِعْمَ الْعَبْدُ ؕ اِنَّهٗۤ اَوَّابٌ ○ (صٓ۔ ع ۴)
کیا اچھے بندے تھے، وہ بہت رجوع ہونے والے تھے۔

تین اور پیمبران جلیل کا ذکر ایک ساتھ آیا ہے۔ اور عبدیت سے موصوف ہونے میں تینوں شریک۔

(۲۵) وَاذْكُرْ عِبٰدَنَاۤ اِبْرٰهِیْمَ وَ اِسْحٰقَ وَیَعْقُوْبَ اُولِی الْاَیْدِیْ وَ الْاَبْصَارِ ○ (صٓ۔ ع ۴)
اور یاد کیجئے ہمارے عباد ابراہیمؑ و اسحٰقؑ و یعقوبؑ کو جو بڑے قوّت والے اور بڑے بصیرت والے تھے۔

یہ سب تذکرے دوسرے انبیاء کے تھے۔ سید الانبیاءؐ کی عبدیت قرآن مجید نے اور زیادہ تکرار کے ساتھ بیان کی ہے۔

شروع ہی میں جہاں تعارف آپؐ کے سب سے بڑے معجزے قرآن مجید کا کیا ہے، وہاں آپؐ کا لقب کوئی اور نہیں، یہی 'عبد' لایا گیا ہے۔

(۲۶) وَاِنْ كُنْتُمْ فِیْ رَیْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ ○ (البقرۃ۔ ع ۳)
(اے منکرو) اگر تمہیں شک ہے اس (کتاب) کے بارے میں جو ہم نے اپنے عبد پر اتاری ہے تو تم بھی ایک سورت اسی کی سی لے آؤ۔

اس اعجاز قرآنی کے بعد آپؐ کا ایک دوسرا مشہور و نمایاں معجزہ سفرِ معراج کا ہے، اس سلسلہ میں آپ کی نسبت مع اللہ کا اظہار اسی وصف عبدیت ہی کے ساتھ کیا ہے۔

(۲۷) سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصٰی (بنی اسرائیل۔ ع ۱)

پاک ذات ہے وہ جو لے گیا راتوں رات اپنے عبد کو مسجد محترم سے دور والی مسجد تک۔

تیسری جگہ پھر محل لطف و عنایت پر آپ کے ذکر میں کفایت اسی وصف پر کی گئی ہے۔

(۲۸) تَبٰرَکَ الَّذِیْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰی عَبْدِہٖ لِیَکُوْنَ لِلْعٰلَمِیْنَ نَذِیْرًا ○ (الفرقان۔ ع ۱)

عالی شان ذات ہے وہ جس نے یہ فیصلہ (کی کتاب) اپنے عبد پر نازل کی، تاکہ وہ دنیا جہان کے لئے نذیر ہوں۔

چوتھی بار پھر موقع تخصیص پر ذکر مبارک اسی وصفِ عبدیت کے ساتھ ہے۔

(۲۹) اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ عَلٰی عَبْدِہِ الْکِتٰبَ وَلَمْ یَجْعَلْ لَّہٗ عِوَجًا ○ (الکہف۔ ع ۱)

ساری ستائش اس اللہ کے لئے ہے جس نے (یہ) کتاب نازل کی اپنے عبد پر، اور اس میں ذرا بھی کجی نہیں رکھی۔

پانچواں موقع پھر اظہار کرم خصوصی کا ہے، اور وہاں بھی ذکر جمیل اسی عنوان سے ہے۔

(۳۰) ھُوَ الَّذِیْ یُنَزِّلُ عَلٰی عَبْدِہٖٓ اٰیٰتٍۭ بَیِّنٰتٍ لِّیُخْرِجَکُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوْرِ (الحدید۔ ع ۱)

وہ (اللہ) ایسا ہے جو اپنے عبد پر کھلی ہوئی آیتیں نازل کرتا ہے کہ وہ تم کو تاریکیوں سے روشنی کی طرف لے آئے۔

یہ سارے مقامات وہ ہیں، جہاں بشریت (اور عبدیت) کا اطلاق حضرات انبیاء، خصوصًا سید الانبیاءؐ کی ذات پر صراحت کے ساتھ ہوا ہے لیکن ان کے علاوہ کثرت سے مقامات ایسے بھی ہیں، جہاں ان کے حق میں وصفِ بشریت صراحۃً نہیں، دلالۃً یا تضمنًا

لایا گیا ہے یعنی ایسے عوارض بیان کر دیئے گئے ہیں، جو بشریّت سے منفک نہیں ہو سکتے بلکہ اس کے لوازم میں داخل ہیں۔

چنانچہ اہم ترین لوازم بشریّت سے یہ ہے کہ انبیاء اس دنیا میں غیر فانی نہیں، فنا پذیر ہوتے ہیں۔ اور اُن کے جسد کو ضرورت بدل ما یتحلل یا کھانے پینے کی برابر لگی رہتی ہے۔ اس کو یوں بیان فرمایا گیا ہے۔

(۳۱) وَمَا جَعَلْنٰهُمْ جَسَدًا لَّا يَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ وَمَا كَانُوْا خٰلِدِيْنَ ○ (الانبیاء۔ع ۱)

اور ہم نے (پیمبروں کے) جسم ایسے نہیں بنائے کہ وہ کھاتے پیتے نہ ہوں، اور نہ وہ (لوگ) ہمیشہ رہ جانے والے تھے۔

حضرات انبیاء یہی نہیں کہ عام انسانوں کی طرح فانی ہوتے ہیں، اور کھاتے پیتے ہیں، بلکہ بازاروں میں چلتے پھرتے بھی ہیں۔

(۳۲) وَمَآ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّآ اِنَّهُمْ لَيَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ وَيَمْشُوْنَ فِي الْاَسْوَاقِ ؕ (الفرقان۔ع ۲)

اور ہم نے آپؐ سے قبل جتنے بھی رسول بھیجے، سب کھانا بھی کھاتے تھے اور بازاروں میں چلتے پھرتے بھی تھے۔

صاحب اہل و عیال ہونا، اولاد کی طلب و تمنّا دل میں ہونا، اس کی دعا کرنا، ازواج کے حق میں دعائے خیر کرنا، یہ سب اوصافِ بشری ہیں، اور ان سب کا ذکر اسی کتاب میں ایک دوسرے عنوان کے ماتحت ملے گا۔ سن کا بڑھنا، کہولت میں ضعفِ جسمانی کا ظاہر ہونا، ضعیفی میں اولاد کی طرف سے مایوسی، یہ بھی سب بشریّت ہی کے عناصر ہیں اور ان کی تفصیل بھی اسی کتاب میں ایک مستقل عنوان کے ماتحت ملے گی۔

یہاں محض ضمناً دو تذکرے کافی ہوں گے۔ ایک مقام یہ ہے کہ فرشتے حضرت ابراہیمؑ کو فرزند صالح کی بشارت دیتے ہیں۔ آپ کی نظر اپنے سن پر جاتی ہے، اور ہر بشر کی طرح آپ بھی اس بشارت پر حیران رہ جاتے ہیں۔

(۳۳) قَالَ اَبَشَّرْتُمُوْنِیْ عَلٰٓی اَنْ مَّسَّنِیَ الْکِبَرُ فَبِمَ تُبَشِّرُوْنَ ○
(الحجر - ع ۴)

(ابراہیم نے) کہا کیا تم مجھے بشارت دیتے ہو اس حال میں کہ بڑھاپا مجھ پر آچکا ہے تو بشارت مجھے کاہے کی دیتے ہو۔

اسباب ظاہری پر نظر کرکے، پیرانہ سالی میں اولاد کی طرف سے مایوسی، خاصۂ بشریت ہے۔
دوسرا موقع یہ ہے کہ حضرت زکریّا اپنے لئے اولاد کی دعا کرتے ہیں، لیکن ساتھ ہی اپنی پیرانہ سالی کے آثار و علامات کا بھی ذکر کرتے جاتے ہیں۔

(۳۴) رَبِّ اِنِّیْ وَهَنَ الْعَظْمُ مِنِّیْ وَاشْتَعَلَ الرَّاْسُ شَیْبًا۔
(مریم - ع - ۱)

اے میرے پروردگار میری ہڈیاں کمزور پڑ چکی ہیں، اور (میرے) سر کے بالوں میں سفیدی پھیل پڑی ہے۔

پیرانہ سالی کے یہ آثار علامات و مقتضیات بشری ہی ہیں۔
عبدیّت کے لوازم میں سے مسئولیت، عبودیّت، اور مُکلّف بہ احکام شرع ہونا بھی ہے۔ اور پیمبر اس باب میں عام مومنین سے ذرا بھی ممتاز نہیں ہوتے۔
ابراہیم خلیلؑ کا جو مرتبہ پیمبروں میں ہے۔ معلوم و معروف ہے۔ اس پر بھی اُن سے مطالبہ اسلام ہی لانے کا ہوا۔ یہ نہیں ہوا کہ انہیں اس سے معاف و مستثنیٰ رکھا گیا ہو۔

(۳۵) اِذْ قَالَ لَهٗ رَبُّهٗٓ اَسْلِمْ قَالَ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ
(البقرہ - ع ۱۶)

یاد کرو وہ وقت جب ابراہیم سے اُن کے پروردگار نے کہا کہ اسلام لاؤ۔ بولے میں اسلام لے آیا پروردگار عالم پر۔

ان کی آزمائشیں بھی ہوئیں۔ اور وہ ان میں پورے اُترے۔ یہ نہیں ہوا کہ وہ بلاامتحان رہے ہوں۔

(۳۶) وَاِذِ ابْتَلٰٓی اِبْرٰهٖمَ رَبُّهٗ بِکَلِمٰتٍ فَاَتَمَّهُنَّ (البقرہ ع ۱۵)

اور وہ وقت یاد کرو جب ابراہیمؑ کی آزمائش بعض باتوں میں اُن کے پروردگار نے کی،

اور اُن میں پورے اُترے۔

بیت اللہ کی معماری کا کام انہوں نے اپنے فرزند اسمٰعیلؑ سے مل کر کیا ہے۔

(۳۷) وَاِذْ یَرْفَعُ اِبْرٰهٖمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَیْتِ وَاِسْمٰعِیْلُ (البقرہ ع ۱۵)

اور وہ وقت یاد کرو، جب ابراہیم، اسمٰعیل کے ساتھ (مل کر) بیت اللہ کی بنیادیں اٹھا رہے تھے۔

اور اس مخلصانہ طاعت و عبادت کے قبول کی دعا بھی کرتے جاتے تھے۔

(۳۸) رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ۔ (البقرہ۔ ع ۱۵)

اے ہمارے پروردگار، اسے ہماری طرف سے قبول بھی کر تو ہی ہے بڑا سننے والا بڑا جاننے والا۔

اور مزید طاعت و عبادت کے خواستگار و حریص تھے۔

(۳۹) رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَیْنِ لَكَ.... وَاَرِنَا مَنَاسِكَنَا وَتُبْ عَلَیْنَا اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِیْمُ۔ (البقرہ، ع ۱۵)

اے ہمارے پروردگار ہم کو اپنا (اور زیادہ) فرماں بردار بنالے.... اور ہم کو ہمارے حج کے احکام بتادے، اور ہم پر رحمت سے توجہ فرما، بیشک تو ہی ہے بڑا توجہ فرمانے والا، بڑا رحم کرنے والا۔

اسی اسلام پر قائم رہنے کی وصیّت ابراہیم خلیلؑ اپنے لڑکوں اور پوتے کو کر گئے۔

(۴۰) وَوَصّٰی بِهَا اِبْرٰهٖمُ بَنِیْهِ وَیَعْقُوْبُ یٰبَنِیَّ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰی لَكُمُ الدِّیْنَ فَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ۔ (البقرہ۔ ع ۱۶)

اور اسی (توحید) کا حکم دے گئے ابراہیم اپنے بیٹوں کو اور (اپنے پوتے) یعقوب کو بھی، اے میرے بیٹو، اللہ نے اس دین کو تمہارے لئے منتخب کر لیا ہے سو تمہیں موت آئے تو صرف اسی حالت اسلام پر۔

خود یعقوب علیہ السّلام بھی اسی دینِ توحید کی وصیّت، بسترِ مرگ پر، اپنی نسل کو کر گئے۔

(۴۱) اِذْ قَالَ لِبَنِیْہِ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْۢ بَعْدِیْ ؕ قَالُوْا نَعْبُدُ اِلٰـھَکَ وَ اِلٰہَ اٰبَآئِکَ اِبْرٰھٖمَ وَ اِسْمٰعِیْلَ وَ اِسْحٰقَ اِلٰـھًا وَّاحِدًا ۚ وَّ نَحْنُ لَہٗ مُسْلِمُوْنَ۔

(البقرۃ ۔ ع ۱۶)

جب انہوں نے اپنے بیٹوں سے پوچھا کہ تم لوگ میرے بعد کس چیز کی پرستش کروگے، وہ بولے ہم اسی خدا کی پرستش کریں گے، جس کی آپ اور آپ کے بزرگ ابراہیم و اسمٰعیل و اسحٰق کرتے آئے ہیں۔ یعنی خدائے واحد کی، اور ہم بس اُسی کے فرمانبردار رہیں گے۔

اسمٰعیل علیہ السّلام کا ذکر جہاں مدح کے ساتھ آتا ہے، وہاں یہ بھی ہے کہ (خود تو خود) اپنے گھر والوں پر بھی نماز و زکوٰۃ کی تاکید رکھتے تھے۔

(۴۲) وَ کَانَ یَاْمُرُ اَھْلَہٗ بِالصَّلٰوۃِ وَ الزَّکٰوۃِ۔ (مریم ۔ ع ۴)

وہ اپنے گھر والوں کو حکم دیتے رہتے تھے نماز اور زکوٰۃ کا۔

متعدد پیمبروں کے اوّاب و اوّاہ' ہونے کا تذکرہ اُن کی عبدیت کے سلسلہ میں آچکا ہے۔

ابراہیمؑ نے بہ ایں کمال مرتبتِ ایمان، مزید اطمینانِ قلب کی خاطر مشاہدۂ بعض خوارق و عجائب کی درخواست کی۔

(۴۳) وَ اِذْ قَالَ اِبْرٰھٖمُ رَبِّ اَرِنِیْ کَیْفَ تُحْیِ الْمَوْتٰی ؕ قَالَ اَوَلَمْ تُؤْمِنْ ؕ قَالَ بَلٰی وَ لٰکِنْ لِّیَطْمَئِنَّ قَلْبِیْ۔

(البقرہ ۔ ع ۳۵)

اور وہ وقت یاد کرو، جب ابراہیم نے عرض کی کہ اے میرے پروردگار مجھے دکھا دے کہ تو مُردوں کو کیوں کر زندہ کرتا ہے! ارشاد ہوا کیا تمہیں اس پر ایمان نہیں۔ بولے (ایمان) کیوں نہ ہوگا لیکن اپنے قلب کو مطمئن (مزید) کرنے کیلئے۔

حضرت عیسیٰؑ، جنہیں ان کی امّت کے بڑے بڑے عالم و فاضل تک ابن اللہ مان رہے ہیں، خود اُن کی زبان سے دعوت توحید ہی قرآن نے نقل کی ہے۔

(۴۴) اِنَّ اللّٰہَ رَبِّیْ وَ رَبُّکُمْ فَاعْبُدُوْہُ ھٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِیْمٌ ○ (آل عمران - ع ۵)

بے شک اللہ ہی میرا رب ہے اور تمہارا بھی رب ہے، بس اسی کی پرستش کرو، سیدھی راہ یہی ہے۔

آپ کی پیدائش کا طریقہ اگر خارقِ عادت تھا۔ تو ہوا کرے، بہرحال اس سے آپؑ کے بشر اور خاکی الاصل ہونے پر کیا اثر پڑتا ہے۔ آخر حضرت آدمؑ کی پیدائش کا طریقہ تو عام بشری طریق توالد و تناسل سے بالکل ہی الگ تھا۔

(۴۵) اِنَّ مَثَلَ عِیْسٰی عِنْدَ اللّٰہِ کَمَثَلِ اٰدَمَ ؕ خَلَقَہٗ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَہٗ کُنْ فَیَکُوْنُ۔ (آل عمران - ع ۶)

عیسیٰؑ کی مثال تو اللہ کے نزدیک آدم کی سی ہے انہیں اس نے مٹی سے پیدا کیا، اور ان سے کہا کہ ہو جاؤ تو وہ ہو گئے۔

حضرت عیسیٰؑ کی ذات چونکہ ابنیت الٰہی و ولدیت الٰہی والے شرک کی مرکز خصوصی رہ چکی ہے۔ اس لئے آپ کی بشریت و عبدیت پر زور سب سے زیادہ گیا ہے، یہاں تک کہ حشر میں بھی آپ سے یہ سوال ہوگا۔

(۴۶) ءَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِیْ وَ اُمِّیَ اِلٰھَیْنِ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ۔ (المائدہ - ع ۱۶)

کیا تم (دنیا میں) لوگوں سے یہ کہہ آئے تھے، کہ "مجھے اور میری ماں کو بھی خدا بنا لو اللہ کے علاوہ"

اور جواب قدرتاً آپ کی طرف سے یہ عرض ہوگا،

(۴۷) سُبْحٰنَکَ مَا یَکُوْنُ لِیْٓ اَنْ اَقُوْلَ مَا لَیْسَ لِیْ بِحَقٍّ ۔ (ایضاً)

تو پاک ذات ہے، میں ایسی بات کیسے کہہ سکتا تھا جس کا مجھے کوئی حق ہی نہ تھا۔

سب سے زیادہ زور و تاکید، تکرار و تصریح، قدرۃً سرورِ انبیاء، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی مسئولیت اور اُس کے مظاہر و آثار پر ہے۔

بار بار ارشاد یہ ہوا ہے کہ کہیں خود ہی اس پیامِ حق سے متعلق شبہ اور دھوکے میں نہ پڑ جانا۔

(۴۸) اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ (البقرۃ ۔ ع ۱۷)	یہ حق آپ کے پروردگار کی طرف سے ہے، تو کہیں ہرگز آپ شک کرنیوالوں میں نہ ہو جایئے گا۔
(۴۹) " " (الانعام ۔ ع ۴۴)	" "
(۵۰) " " (یونس ۔ ع ۱۰)	" "

اور ایک برائے نام اختلاف کے ساتھ۔

(۵۱) فَلَا تَكُنْ مِّنَ الْمُمْتَرِيْنَ (آل عمران، ع ۶)	تو آپ شک کرنے والوں میں نہ ہو جایئے گا۔

اور یہی مضمون ایک دوسرے انداز سے۔

(۵۲) فَلَا تَكُ فِيْ مِرْيَةٍ مِّنْهُ ۔ (ہود ۔ ع ۲)	آپ اس (قرآن) کے بارے میں شک میں نہ پڑیئے۔

ایک بار پھر خفیف لفظی تغیر کے ساتھ۔

(۵۳) فَلَا تَكُ فِيْ مِرْيَةٍ مِّمَّا يَعْبُدُ هٰٓؤُلَآءِ ۔ (ہود ۔ ع ۹)	آپ ان چیزوں سے متعلق شک میں نہ پڑیں جن کی لوگ پرستش کرتے رہتے ہیں۔

رسولؐ پر جو وحی قرآنی نازل ہوتی ہے۔ اس پر ایمان لانے کے مکلف جس طرح عام مومنین ہیں، خود رسولؐ بھی تھے۔

(۵۴) اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ ۔ (البقرہ ۔ ع ۴۰)	رسول (خود) ایمان لائے اس پر جو کچھ ان پر اللہ کے ہاں سے نازل ہوا اور مومنین (بھی)

خاص طور پر آپؐ کو حکم ملا ہے کہ خیانت کرنے والوں کی حمایت و جنبہ داری نہ کریں۔

(۵۵) وَلَا تَكُنْ لِّلْخَآئِنِيْنَ خَصِيْمًا — آپ خائنوں کے طرف دار نہ بن جائیں۔
(النساء ع ۱۶)

اور اسی سے متصل، اسی سے ملتی ہوئی یہ دوسری ہدایت بھی۔

(۵۶) وَلَا تُجَادِلْ عَنِ الَّذِيْنَ يَخْتَانُوْنَ اَنْفُسَهُمْ۔ (النساء ع ۱۶) — آپ ان لوگوں کی طرف سے وکالت نہ کیجئے جو اپنے ہی نفسوں کو نقصان پہنچاتے رہتے ہیں۔

اللہ کے خصوصی فضل و کرم نے آپؐ کو سنبھالے رکھا، ورنہ مخالفین تو یہ تہیہ کر بیٹھے تھے، کہ خود آپ ہی کو راہ سے برگشتہ کر رکھیں۔

(۵۷) وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ وَرَحْمَتُهٗ لَهَمَّتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْهُمْ اَنْ يُّضِلُّوْكَ۔ (النساء۔ع ۱۷) — اور اللہ کا خاص فضل و کرم آپ پر نہ ہوتا تو ان لوگوں کے ایک گروہ نے اس پر کمر ہمت باندھ ہی لی تھی کہ آپ کو گمراہ کر کے رہیں۔

آپؐ اس پر مامور تھے کہ آپؐ پر جو کچھ بھی نازل ہوا ہے، اسے پورے کا پورا پہنچائیں، اور اگر آپؐ نے اس میں کچھ بھی کوتاہی کی، تو گویا آپ نے کوئی بھی پیام نہیں پہنچایا۔

(۵۸) يٰٓاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ؕ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ۔ (المائدہ۔ع ۱۰) — اے رسول آپ پر آپ کے پروردگار کی طرف سے جو کچھ بھی نازل ہوا ہے وہ آپ (سب) پہنچا دیجئے۔ اور اگر آپ نے ایسا نہ کیا تو آپؐ نے اللہ کا ایک پیغام بھی نہیں پہنچایا۔

خود آپؐ کی زبان سے کہلایا گیا ہے کہ میں تو دعوت توحید و اجتناب شرک پر مامور ہوں اور اپنے ہی متعلق ڈرتا رہتا ہوں کہ کہیں کوتاہی کر کے مستحق عذاب نہ بن جاؤں۔

(۵۹) قُلْ اِنِّيْٓ اُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ اَوَّلَ مَنْ اَسْلَمَ وَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ قُلْ اِنِّيْٓ اَخَافُ اِنْ عَصَيْتُ رَبِّيْ عَذَابَ — آپ کہہ دیجئے کہ مجھے یہ حکم ملا ہے کہ میں اسلام سب سے پہلے لاؤں، اور تم مشرکوں میں سے ہرگز نہ ہو جاؤ۔ آپ کہہ دیجئے کہ اگر میں اپنے پروردگار

يَوْمٍ عَظِيْمٍ۔ (الانعام۔ع ۲) کی نافرمانی کروں تو میں تو ایک بڑے دن کے عذاب سے ڈرتا ہوں۔

اور اس سے ذرا آگے بڑھ کر پھر تاکید آپؐ کی زبان سے اسی دعوت توحید واجتناب شرک کی کرائی گئی ہے۔

(۶۰) اَئِنَّكُمْ لَتَشْهَدُوْنَ اَنَّ مَعَ اللّٰهِ اٰلِهَةً اُخْرٰى ۭ قُلْ لَّآ اَشْهَدُ ۚ قُلْ اِنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ وَّاِنَّنِيْ بَرِيْۗءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ۔ (الانعام۔ع ۲)

کیا تم سچ مچ یہی گواہی دیتے ہو کہ اللہ کے ساتھ کچھ اور معبود بھی ہیں؟ آپ کہہ دیجئے کہ میں تو (یہ) گواہی نہیں دیتا آپ کہہ دیجئے کہ وہ تو بس ایک معبود ہے اور میں تمہارے شرک سے بیزار ہوں۔

آپؐ کو اس کی فہمائش ہوئی، کہ سب کا ہدایت پر جمع ہو جانا مشیت تکوینی کے خلاف ہے، اور آپؐ کا اس تمنا میں پڑنا ایک شائبہ جاہلیت رکھنے کے مترادف ہے۔

(۶۱) وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَمَعَهُمْ عَلَى الْهُدٰى فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ۔ (الانعام۔ع ۴)

اور اگر اللہ کی مشیت یہ ہوتی تو ان سب کو ہدایت پر جمع کر دیتا تو آپ جاہلوں میں نہ ہو جائیے۔

آپؐ کی زبان حقیقت ترجمان سے یہ حقیقت صاف صاف کہلا دی گئی، کہ میں نہ خزائن پروردگار کا مالک، نہ عالم الغیب، نہ فرشتہ، بلکہ صرف وحی الٰہی پر چلنے والا ہوں۔

(۶۲) قُلْ لَّآ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِيْ خَزَاۗىِٕنُ اللّٰهِ وَلَآ اَعْلَمُ الْغَيْبَ وَلَآ اَقُوْلُ لَكُمْ اِنِّىْ مَلَكٌ ۚ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ ۔ (الانعام۔ع ۵)

آپ کہہ دیجئے کہ تم سے یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس میرے پروردگار کے خزانے ہیں اور نہ میں علم غیب رکھتا ہوں۔ اور نہ میں تم سے یہ کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں میں تو بس جو کچھ وحی میرے اوپر آتی ہے، بس اسی کی پیروی کر رہا ہوں۔

آپؐ سے بھی بازپرس ایسی ہی ہوتی۔ جیسی ہر فرد بشر سے ہوتی، اگر کہیں آپؐ سے کوئی

لغزش ہوگئی ہوتی۔ جو لوگ اپنی محبت میں آپ کے اردگرد جمع رہتے، اُن کے ہٹادینے کا نامعقول مطالبہ منکرین کی طرف سے پیش ہوتا رہتا۔ آپؐ سے ارشاد ہوا کہ اگر آپؐ کہیں ان پر عمل کرگزرے، تو آپ کا شمار بھی "ظالموں" میں ہوجائے گا۔

(۶۳) ..... فَتَطْرُدَهُمْ فَتَكُوْنَ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ۔ (الانعام۔ ع ۶)

..... کہ آپ اُن کو دھتکار دیں (اگر آپ نے ایسا کیا) تو آپ بھی ظالموں میں ہوجائیں گے۔

اور مشرکوں کی فرمائش شرک کی (بہ فرضِ محال) تعمیل تو آپ کو کھلے طور پر گمراہوں میں شامل کردے گی۔

(۶۴) قُلْ اِنِّيْ نُهِيْتُ اَنْ اَعْبُدَ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ قُلْ لَّاۤ اَتَّبِعُ اَهْوَآءَكُمْ ۙ قَدْ ضَلَلْتُ اِذًا وَّمَاۤ اَنَا مِنَ الْمُهْتَدِيْنَ ۔ (الانعام۔ ع ۷)

آپ کہہ دیجئے کہ مجھ کو تو اس کی ممانعت ہے کہ میں اُن کی عبادت کروں جن کو تم لوگ اللہ کے سوا پکارتے ہو۔ آپ کہہ دیجئے کہ میں تمہاری خواہش کی پیروی نہ کروں گا ورنہ پھر تو میں بے راہ ہوجاؤں گا، اور راہ یاب لوگوں میں نہ رہوں گا۔

گویا عظمت و مقبولیت کوئی ایسی شے نہ تھی۔ جو کسی نبی کی ذات کے ساتھ چپک کر رہ گئی ہو۔ ہر نبی کا سارا تقدس تو اسی وقت تک ہے، جب تک اس کا گہرا رشتہ رضائے الٰہی سے جڑا ہوا ہے۔

خود کوئی لغزش و بدعملی تو الگ رہی، نافرمانوں، سرکشوں کے ساتھ ہم نشینی تک شیطانی عمل قرار پایا۔

(۶۵) وَاِذَا رَاَيْتَ الَّذِيْنَ يَخُوْضُوْنَ فِيْۤ اٰيٰتِنَا فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ حَتّٰى يَخُوْضُوْا فِيْ حَدِيْثٍ غَيْرِهٖ ؕ وَاِمَّا يُنْسِيَنَّكَ الشَّيْطٰنُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰى مَعَ

اور جب آپ ان لوگوں کو دیکھئے جو ہماری آیتوں میں عیب جوئی کررہے ہیں، تو اُن سے الگ ہوجایئے، یہاں تک کہ وہ کسی اور بات میں لگ جائیں، اور اگر آپ کو شیطان بھلا دے

اَلْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ۔ (الانعام ع ۸) تو یاد آجانے کے بعد (ایسے) ظالم لوگوں کے پاس مت بیٹھئے۔

انبیاء سابقین میں سے کئی ایک کا نام لے کر ذکر کرنے کے بعد آپ کو ارشاد ہوا ہے کہ بس انہیں کی پیروی کرتے رہیئے۔

(۶۶) اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ هَدَى اللّٰهُ فَبِهُدٰىهُمُ اقْتَدِهْ۔ (الانعام۔ع ۱۰) یہ لوگ وہ تھے، جنہیں اللہ نے ہدایت کی تھی تو آپ بھی انہیں کے طریق پر چلئے۔

ایک پیمبر جلیل، ابراہیم خلیلؑ کی زبان سے، قبل نبوت، کہلایا جاچکا تھا کہ اگر اللہ کا فضل خصوصی دستگیر نہ رہے، تو میں تو گمراہوں میں شمار ہوتا۔

(۶۷) قَالَ لَئِنْ لَّمْ يَهْدِنِیْ رَبِّیْ لَاَكُوْنَنَّ مِنَ الْقَوْمِ الضَّآلِّیْنَ۔ (الانعام۔ ع ۹) (ابراہیمؑ) بولے، کہ اگر میرا پروردگار مجھے ہدایت نہ کرتا رہے، تو میں تو گمراہ لوگوں میں شامل ہو جاؤں۔

رسول اللہؐ کو صراحت کے ساتھ یہ حکم ملا، کہ بس وحی الٰہی کی پیروی کرتے رہیئے! اور مشرکوں کی طرف ذرا التفات نہ ہونے پائے۔

(۶۸) اِتَّبِعْ مَآ اُوْحِیَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ج لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ج وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِیْنَ۔ (الانعام۔ ع ۱۳) بس اسی وحی کی جو آپ کے پروردگار کی طرف سے آپ پر اُتری ہے کہ کوئی خدا نہیں ہے بجز اس کے پیروی کرتے رہیئے۔ اور مشرکوں سے کنارہ کش رہیئے۔

یہ بھی آپؐ کو بتا دیا گیا تھا کہ اگر کہیں ان لوگوں کی طرف آپ مائل ہو گئے، تو دنیا میں اکثریت تو ایسوں ہی کی ہے۔ جو آپ کو گمراہ ہی کر کے رہے گی۔

(۶۹) وَاِنْ تُطِعْ اَكْثَرَ مَنْ فِی الْاَرْضِ يُضِلُّوْكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ۔ (الانعام۔ع ۱۴) اور روئے زمین پر زیادہ تر جو لوگ ہیں، اگر آپ نے اُن کا کہنا مان لیا، تو یہ اللہ کی راہ

سے آپ کو بھٹکا کر ہی رہیں گے۔

آپؐ کو یہ بھی کہنے کا حکم ملا، بعد اقرار توحید و ردِّ شرک کے، کہ میں ہی سب سے بڑا مسلم ہوں۔ اور راہ یاب ہونے اور ملّتِ ابراہیمی پر چلنے کی توفیق مجھے فضل الٰہی ہی سے ہوئی ہے۔

(۷۰) قُلْ اِنَّنِیْ هَدٰىنِیْ رَبِّیْۤ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ۚ۬ دِیْنًا قِیَمًا مِّلَّةَ اِبْرٰهِیْمَ حَنِیْفًا ۚ وَ مَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ ○ قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَ نُسُكِیْ وَ مَحْیَایَ وَ مَمَاتِیْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ○ لَا شَرِیْكَ لَهٗ ۚ وَ بِذٰلِكَ اُمِرْتُ وَ اَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَ۔
(الانعام۔ ع ۲۰)

آپ کہہ دیجئے کہ مجھ کو سیدھا راستہ میرے پروردگار نے بتلا دیا ہے۔ (وہ) ایک دین محکم ہے جو طریقہ ہے ابراہیم راست رَو کا۔ اور وہ شرک کرنے والوں میں سے نہ تھے۔ آپ کہہ دیجئے کہ یقیناً میری نماز اور میری ساری عبادت اور میری زندگی اور میری موت یہ سب خالص اللہ ہی کے لئے ہے جو پروردگار عالم ہے بلا کسی شریک کے مجھے اسی کا حکم ملا ہے اور میں مسلموں میں سب سے پہلا ہوں۔

آپؐ کو جو کتاب ملی تھی، آپؐ اس کی تبلیغ پر مامور تھے، اور آپؐ کو حکم تھا کہ آپ اس سے تنگی نہ محسوس کریں۔

(۷۱) كِتٰبٌ اُنْزِلَ اِلَیْكَ فَلَا یَكُنْ فِیْ صَدْرِكَ حَرَجٌ مِّنْهُ لِتُنْذِرَ بِهٖ۔
(الاعراف۔ ع ۱)

یہ ایک کتاب ہے جو آپ پر اس لئے اتاری گئی ہے کہ آپ اس کے ذریعہ سے ڈرائیں سو آپ اس سے اپنے میں بالکل تنگی نہ پائیں۔

آپؐ سے پھر کہلایا گیا کہ میں تو بس وحی الٰہی کی پیروی کرتا ہوں میں کوئی اپنی طرف سے کچھ گھڑ تھوڑے ہی لاتا ہوں۔

(۷۲) قُلْ اِنَّمَاۤ اَتَّبِعُ مَا یُوْحٰۤى اِلَیَّ

آپ کہہ دیجئے کہ میں تو بس اسی کی پیروی

مِنْ رَّبِّیْ ۔ (الاعراف ۔ ع ۲۴) کرتا ہوں، جو وحی الٰہی میرے اوپر ہوئی ہے۔

آپؐ کو تنبیہ کی گئی، کہ یادِ الٰہی میں لگے رہیں، اور کہیں غافلوں میں شامل نہ ہو جائیں۔

(۷۳) وَاذْكُرْ رَّبَّكَ فِيْ نَفْسِكَ ..... اور اپنے پروردگار کو اپنے دل میں یاد کرتے رہیئے ..... اور غافلوں میں سے نہ ہو جائیے۔

وَلَا تَكُنْ مِّنَ الْغَافِلِيْنَ ۔ (الاعراف ع ۲۴)

یہ نہ تھا کہ آپؐ کی کسی بات پر کبھی کوئی گرفت الٰہی ہوتی ہی نہ ہو۔ بندہ، دانا ترین ہو کر بھی بہرحال بندہ ہے۔ اس کا علم، علم الٰہی کو کیسے محیط ہو سکتا ہے۔ اعمال و معاملات میں کوئی نہ کوئی پہلو کبھی اس کی نظر سے رہ ہی جائے گا۔ ایسے ہر موقع پر قرآن مجید میں تنبیہ وارد ہوئی ہے۔

چنانچہ غزوۂ بدر کے بعد جب بعض صحابیوں کے مشورے کے مطابق جنگ کے قیدیوں کو فدیہ لے کر چھوڑ دیا گیا، تو اس پر گرفت اِن الفاظ میں ہوئی۔

(۷۴) مَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗۤ اَسْرٰى حَتّٰى يُثْخِنَ فِي الْاَرْضِ ؕ تُرِيْدُوْنَ عَرَضَ الدُّنْيَا ۖ وَاللّٰهُ يُرِيْدُ الْاٰخِرَةَ ۔ (الانفال ۔ ع ۹)

نبی کے لئے مناسب نہ تھا کہ ان کے لئے قیدی باقی رہیں، تاوقتیکہ وہ (نبی) ملک میں اچھی طرح خونریزی نہ کر لیتے، تم لوگ تو دنیا کا مال و متاع چاہتے ہو اور اللہ آخرت کو چاہتا ہے۔

اسی طرح ایک اور غزوہ کے موقع پر جب آپؐ نے منافقین کو اُن کی عذرخواہی سن کر شرکت جہاد سے معاف کر دیا تھا، تو اس پر گرفت گو بڑی شفقت کے ساتھ، یوں ہوئی۔

(۷۵) عَفَا اللّٰهُ عَنْكَ ۚ لِمَ اَذِنْتَ لَهُمْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَتَعْلَمَ الْكٰذِبِيْنَ ۔ (التوبۃ ۔ ع ۷)

اللہ نے آپ کو معاف کر دیا۔ آپ نے اُن لوگوں کو کیوں اجازت دے دی جب تک آپ کے سامنے سچے لوگ نہ ظاہر ہو جاتے اور آپ جھوٹوں کو نہ معلوم کر لیتے۔

مشرکین مکّہ آپ کے اور دوسرے مومنین کے آخر عزیز ہی ہوتے تھے۔ دوسرے مومنین کی طرح آپ نے بھی طبعی محبّت کے اثر سے ان میں بعض وفات پائے ہوؤں کے حق میں دعائے مغفرت کر دی۔ اس پر تنبیہ ان الفاظ میں وارد ہوئی۔

(۷۶) مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِينَ آمَنُوٓا أَنْ يَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِكِيْنَ وَلَوْ كَانُوٓا أُولِيْ قُرْبٰى مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُمْ أَصْحَابُ الْجَحِيْمِ۔

نبی اور ایمان والوں کو جائز نہ تھا کہ مشرکین کے حق میں مغفرت کی دعا کریں اگرچہ وہ رشتہ دار ہی ہوں اس امر کے ظاہر ہو جانے کے بعد کہ یہ لوگ دوزخی ہیں۔

(التوبۃ۔ ع ۱۴)

جاہلوں، مشرکوں کی طرف سے فرمائش بار بار ہوتی کہ، فلاں مضمون کے بجائے فلاں مضمون کیوں نہیں قرآن میں بیان ہوتے۔ جواب آپؐ کی زبان سے ایک بار پھر یہ کہلایا گیا کہ یہ بھی کوئی میرے اختیار کی بات ہے؟ اور اگر میں (خدانخواستہ) گھڑ کر کچھ پیش کروں، تو میں خود ہی نہ عذاب میں مبتلا ہو جاؤں!

(۷۷) قُلْ مَا يَكُوْنُ لِيْٓ أَنْ أُبَدِّلَهٗ مِنْ تِلْقَآئِ نَفْسِيْ ج إِنْ أَتَّبِعُ إِلَّا مَا يُوْحٰٓى إِلَيَّ ج إِنِّيْٓ أَخَافُ إِنْ عَصَيْتُ رَبِّيْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ۔

(یونس ع ۲)

آپ کہہ دیجئے کہ مجھ سے تو یہ نہیں ہو سکتا کہ میں اپنی طرف سے اس میں کچھ ترمیم کر دوں میں تو بس اسی کی پیروی کروں گا، جو میرے پاس وحی سے پہنچا ہے۔ میں اگر اپنے پروردگار کی نافرمانی کروں تو میں تو ایک بڑے بھاری دن کے عذاب سے ڈرتا ہوں۔

عقیدۂ توحید اور ردّ شرک کے مکلّف جس طرح سب انسان تھے۔ آپ بھی تھے۔ اور انکار پر جو سزا سب کے لئے تھی، وہی آپؐ کے لئے بھی تھی۔ اور آپ کو اس کے اعلان کا حکم ملا۔

(۷۸) ..... فَلَآ اَعۡبُدُ الَّذِيۡنَ تَعۡبُدُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ وَلٰكِنۡ اَعۡبُدُ اللّٰهَ الَّذِىۡ يَتَوَفّٰٮكُمۡ ۖۚ وَاُمِرۡتُ اَنۡ اَكُوۡنَ مِنَ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ ۙ وَاَنۡ اَقِمۡ وَجۡهَكَ لِلدِّيۡنِ حَنِيۡفًا ۚ وَلَا تَكُوۡنَنَّ مِنَ الۡمُشۡرِكِيۡنَ ۚ وَلَا تَدۡعُ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنۡفَعُكَ وَلَا يَضُرُّكَ ۚ فَاِنۡ فَعَلۡتَ فَاِنَّكَ اِذًا مِّنَ الظّٰلِمِيۡنَ ۔ (یونس ۔ ع ۱۱)

تو میں، ان معبودوں کی عبادت نہیں کرتا جن کی تم اللہ کو چھوڑ کر عبادت کرتے ہو البتہ میں تو اس اللہ کی عبادت کرتا ہوں جو تمہاری جانیں قبض کرتا ہے۔ اور مجھے تو حکم ملا ہے کہ میں ایمان لانے والوں میں سے ہوں۔ اور یہ کہ اپنا رُخ دین کی طرف سب سے یکسو ہو کر کر لیجیے اور مشرکوں میں سے ہرگز نہ ہو جیئے اور اللہ کو چھوڑ کر کسی ایسی چیز کی عبادت نہ کیجیے، جو آپ کو نہ کوئی نفع پہنچا سکے اور نہ آپ کو کوئی ضرر، اور اگر ایسا کیا، تو آپ کا شمار بھی ظالموں ہی میں ہوگا۔

شدید ترین ہجوم اعدا ء پر بھی آپؐ اسی پر مامور تھے، کہ فیصلہ الٰہی کا انتظار کریں۔

(۷۹) وَاتَّبِعۡ مَا يُوۡحٰٓى اِلَيۡكَ وَاصۡبِرۡ حَتّٰى يَحۡكُمَ اللّٰهُ ۚ وَهُوَ خَيۡرُ الۡحٰكِمِيۡنَ ۔ (یونس ۔ ع ۱۱)

آپؐ پیروی اسی کی کرتے رہیے جو کچھ آپ کے پاس وحی بھیجی جاتی ہے اور صبر کیجیے، یہاں تک کہ اللہ فیصلہ کر دے اور وہ سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے۔

بشریت کے طبعی تقاضے سے کبھی آپؐ کے دل میں یہ آنے لگتا، کہ قرآن کے جن حصوں کی مخالفت اتنی شدید کی جاتی ہے۔ انہیں تبلیغ میں چھوڑ ہی دیا جائے۔ یا آپؐ کبھی معاندین کے اس طنز سے کبیدہ خاطر ہونے لگتے کہ ان پیمبر کے ساتھ خزانہ کیوں نہیں، یا ان کے ساتھ ساتھ کوئی فرشتہ نمودار کیوں نہیں ہوتا۔ ایسے ہر موقع کے لئے حقیقت واشگاف بیان کر دی گئی ہے!

(۸۰) فَلَعَلَّكَ تَارِكٌۢ بَعْضَ مَا یُوْحٰۤى اِلَیْكَ وَضَآىِٕقٌۢ بِهٖ صَدْرُكَ اَنْ یَّقُوْلُوْا لَوْ لَاۤ اُنْزِلَ عَلَیْهِ كَنْزٌ اَوْ جَآءَ مَعَهٗ مَلَكٌؕ اِنَّمَاۤ اَنْتَ نَذِیْرٌ ○

(ہود - ع ۲)

توشاید آپؐ اس وحی کا، جو آپؐ کو کی جاتی ہے کچھ حصہ چھوڑ دینا چاہتے ہیں اور آپؐ کا دل اُن کے اس کہنے سے تنگ ہوتا ہے کہ ان پر کوئی خزانہ کیوں نہ نازل ہوا یا ان کے ساتھ کوئی فرشتہ کیوں نہ آیا۔ (حالانکہ) آپؐ تو صرف ڈرانے والے ہیں۔

حضرت صالحؑ ایک قدیم پیمبر برحق گزرے ہیں۔ اُن کی زبان سے یہ ادا کرایا ہے، کہ اگر میں اللہ کے حکم میں کوتاہی کروں تو خود مجھے عذاب الٰہی سے کون بچائے گا!

(۸۱) فَمَنْ یَّنْصُرُنِیْ مِنَ اللّٰهِ اِنْ عَصَیْتُهٗ۔ (ہود - ع ۶)

مجھے اللہ (کی گرفت) سے کون بچا لے گا اگر میں اس کی نافرمانی کروں۔

حضرت شعیبؑ پیمبر کی زبان سے کہلایا ہے کہ جو کچھ بھی کرتا ہوں اللہ ہی کی توفیق سے کرتا ہوں، میرا بھروسہ بھی اسی کی ذات پر ہے اور رجوع بھی اسی کی طرف کرتا ہوں۔

(۸۲) وَمَا تَوْفِیْقِیْۤ اِلَّا بِاللّٰهِؕ عَلَیْهِ تَوَكَّلْتُ وَاِلَیْهِ اُنِیْبُ۔

(ہود - ع ۸)

مجھے تو جو کچھ بھی توفیق ہو جاتی ہے۔ اللہ ہی کی طرف سے ہوتی ہے اسی پر بھروسا رکھتا ہوں اور اسی کی طرف رجوع کرتا ہوں۔

انہیں پیمبر نے آخر عاجز آکر اپنی قوم والوں سے کہا، کہ اچھا اب تم بھی عذابِ الٰہی کا انتظار کرو، اور میں بھی اس وقت کا منتظر ہوں۔

(۸۳) وَارْتَقِبُوْۤا اِنِّیْ مَعَكُمْ رَقِیْبٌ۔

(ہود - ع ۸)

تم بھی انتظار کرو، اور میں بھی تمہارے ساتھ منتظر ہوں۔

آپؐ کو تاکید کے ساتھ حکم ہے کہ حالات جو کچھ بھی ہوں، آپؐ کو جو کچھ حکم ملا ہے، آپؐ اسی پر قائم رہیے۔

(۸۴) فَاسْتَقِمْ كَمَآ اُمِرْتَ ۔ (ہود ۔ ع ۱۰) آپؐ قائم رہیئے اسی پر جو حکم آپ کو ملا ہے ۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے یہ سارے قصّے انبیاءؑ سابقین کے بیان کرنے سے ایک خاص غرض ہی یہ رکھی گئی ہے، کہ خود آپؐ کے قلب کو قوت پہنچے ۔

(۸۵) وَكُلًّا نَّقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الرُّسُلِ مَا نُثَبِّتُ بِهٖ فُؤَادَكَ ۔ (ہود ۔ ع ۱۰) اور پیمبروں کے قصّوں میں سے ہم یہ سارے قصّے آپؐ سے بیان کرتے ہیں جن کے ذریعے سے ہم آپؐ کے دل کو تقویت دیتے ہیں ۔

پیمبر جلیل حضرت یوسفؑ کی زبان سے اس حقیقت کا اظہار کرایا گیا ہے کہ نفس بشری تو بُرائی کی بابت تحریک کرتا ہی رہتا ہے، اور خود میرا نفس کب اس سے ماورا ومستثنیٰ ہے!

(۸۶) وَمَآ اُبَرِّئُ نَفْسِيْ ۚ اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَةٌۢ بِالسُّوْٓءِ ۔ (یوسف ع) اور میں اپنے نفس کو بری نہیں کرتا، نفس تو برائی کی طرف لاتا ہی رہتا ہے ۔

شدّت وتاکید کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے کہلایا گیا کہ میں توتبلیغ توحید، ردّ شرک پر مامور ہوں ۔ یہی میری دعوت ہے اور یہی میری منزلِ مقصود ۔

(۸۷) قُلْ اِنَّمَآ اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ اللّٰهَ وَلَآ اُشْرِكَ بِهٖ ۭ اِلَيْهِ اَدْعُوْا وَاِلَيْهِ مَاٰبِ ۔ (الرعد ۔ ع ۵) آپؐ کہہ دیجئے کہ مجھے تو اس کا حکم ملا ہے کہ میں اللہ کی عبادت کروں اور کسی کو اس کا شریک نہ ٹھہراؤں ۔ اسی کی طرف بُلاتا ہوں اور اسی کی طرف مجھے جانا ہے ۔

تہدید کے لہجہ میں آپؐ سے کہہ دیا گیا کہ اگر آپؐ نے کہیں مشرکوں کی راہ پر چلنا شروع کر دیا تو ویسا ہی عذاب الٰہی آپؐ کے لئے بھی ہے ۔

(۸۸) وَلَىِٕنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَهُمْ اور اگر آپؐ ان کی خواہشوں پر چلنے لگیں بعد اس

بَعْدَ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ مَالَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ وَّلِیٍّ وَّلَا وَاقٍ۔ (الرعد-ع۵)

کے کہ آپؐ کو علم (حقیقی) پہنچ چکا ہے۔ تو اللہ کے مقابلہ میں آپؐ کا نہ کوئی مددگار ہوگا اور نہ بچانے والا۔

تبلیغ توحید تمامتر آپؐ کا ایک فریضہ تھی۔

(۸۹) فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ۔ (الحجر-ع۶)

غرض آپؐ کو جس بات کا حکم دیا گیا ہے اسے صاف صاف سنا دیجئے اور مشرکوں کی پروا نہ کیجئے۔

آپؐ اس پر مامور تھے کہ عمر بھر توحید وعبادت پر قائم رہیں۔

(۹۰) فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَكُنْ مِّنَ السّٰجِدِيْنَ ○ وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى يَاْتِيَكَ الْيَقِيْنُ۔ (الحجر-ع۶)

تو آپؐ اپنے پروردگار کی تسبیح وحمد میں لگے رہیے اور نمازیں پڑھنے والوں میں رہیے اور اپنے پروردگار کی عبادت کرتے رہیے یہاں تک کہ آپؐ کو موت آجائے۔

آپ کو بجائے خود اتنا بھی اختیار نہ تھا کہ جو کچھ وحی آپؐ کو پہنچ چکی ہے، اسی کو آپؐ محفوظ رکھ لیں، اللہ کے اختیار میں تھا کہ سب سلب کر لے۔ بس رحمت خصوصی ہی آپؐ کی حامی ودستگیر رہی۔

(۹۱) وَلَئِنْ شِئْنَا لَنَذْهَبَنَّ بِالَّذِیْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ ثُمَّ لَا تَجِدُ لَكَ بِهٖ عَلَيْنَا وَكِيْلًا ○ اِلَّا رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ اِنَّ فَضْلَهٗ كَانَ عَلَيْكَ كَبِيْرًا۔ (بنی اسرائیل۔ ع ۱۰)

اور اگر ہم چاہیں تو جس قدر آپؐ پر وحی بھیجی ہے سب سلب کر لیں۔ پھر اس کے لئے آپؐ کو ہمارے مقابلہ میں کوئی حمایتی بھی نہ ملے۔ مگر آپؐ کے پروردگار ہی کی رحمت سے، بیشک اس کا آپؐ پر بڑا فضل ہے۔

آپؐ کو اس کا بھی حکم ملا کہ صحابیوںؓ میں غریب غربا جیسے بھی کچھ ہوں انہیں سے دل لگائے رکھئے، کہ وہ بہرحال دولت ایمان رکھنے والے ہیں۔ اور ظاہری دولت وشوکت رکھنے

والے اہل غفلت سے اپنا رخ بالکل ہٹائے رکھیں۔

(۹۲) وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ وَلَا تَعْدُ عَيْنٰكَ عَنْهُمْ ۚ تُرِيْدُ زِيْنَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَلَا تُطِعْ مَنْ اَغْفَلْنَا قَلْبَهٗ عَنْ ذِكْرِنَا وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ وَكَانَ اَمْرُهٗ فُرُطًا۔ (الکہف ۔ ع ۴)	اور اپنے کو ان لوگوں کے ساتھ مقیّد رکھئے جو صبح و شام اپنے پروردگار کی عبادت محض اس کی رضا جوئی کے لئے کرتے ہیں اور آپؐ کی آنکھیں اُن سے ہٹنے نہ پائیں کہ لگیں (آپؐ) دنیوی زندگی کی بہار کا پاس کرنے۔ اور ایسے شخص کے کہنے میں نہ آیئے جس کے قلب کو ہم نے اپنی یاد سے غافل کر رکھا ہے۔ اور وہ اپنی خواہش نفس پر چلتا ہے۔ اور اس کا معاملہ حد سے گزر گیا ہے۔

آپؐ کو اس کی ممانعت ہوئی کہ کافروں۔ منکروں کی چند روزہ خوشحالی اور بہار زندگی کی طرف نظر اٹھا کر بھی دیکھیں، وہ کوئی رغبت کی چیز تھوڑے ہی ہے۔ اس سے تو ان شامت زدوں کی محض آزمائش مقصود ہے۔

(۹۳) وَلَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ اِلٰى مَا مَتَّعْنَا بِهٖۤ اَزْوَاجًا مِّنْهُمْ زَهْرَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا لِنَفْتِنَهُمْ فِيْهِ۔ (طٰہٰ ۔ ع ۸)	اور آپؐ اس (ساز و سامان کی) طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھئے، جس سے ہم نے کافروں کے مختلف گروہوں کو متمتع کر رکھا ہے کہ وہ دنیوی زندگی کی بہار ہے، اُن کی آزمائش کے لئے۔

آپؐ کو تو حکم یہ ملا کہ نماز پر نہ صرف خود ہی قائم رہیں، بلکہ اپنے والوں کو بھی قائم رکھیں۔

(۹۴) وَاْمُرْ اَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا۔ (طٰہٰ ۔ ع ۸)	اپنے والوں کو بھی نماز کا حکم دیتے رہیئے اور خود بھی اس کے پابند رہیئے۔

کافروں، منکروں کی بات ماننا کیسی، آپؐ مامور تو ان کے خلاف قرآن کے ذریعہ

سے شدید مقابلہ پر تھے۔

(۹۵) فَلَا تُطِعِ الْكَافِرِيْنَ وَجَاهِدْهُمْ بِهٖ جِهَادًا كَبِيْرًا۔ (الفرقان-ع ۵)
تو آپؐ کافروں کا کہا نہ مانئے اور قرآن کے ذریعہ سے ان کا مقابلہ۔ زور و شور سے کیجئے۔

آپؐ کو حکم اللہ پر توکل کرنے اور اس کی تسبیح و حمد کرتے رہنے کا تھا۔

(۹۶) وَتَوَكَّلْ عَلَى الْحَيِّ الَّذِيْ لَا يَمُوْتُ وَسَبِّحْ بِحَمْدِهٖ۔ (الفرقان-ع ۵)
اور آپؐ توکل اسی زندہ پر رکھئے جسے کبھی موت آنے والی نہیں، اور اسی کی تسبیح و تحمید میں لگے رہیے۔

آپؐ مامور اس پر تھے کہ اپنے عزیزوں قریبوں کو ڈراتے رہیں، اور مومنین متبعین کے ساتھ برتاؤ تواضع کا رکھیں۔ اور آپؐ کو صاف صاف یہ بھی سنا دیا گیا تھا کہ اگر (بہ فرض محال) آپؐ نے کسی غیر اللہ کو پکارا، تو آپ کا شمار بھی معذبین میں ہونے لگے گا۔

(۹۷) فَلَا تَدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَتَكُوْنَ مِنَ الْمُعَذَّبِيْنَ ○ وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ ○ وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ۔ (الشعراء-ع ۱۱)
اور آپؐ اللہ کے ساتھ کسی اور معبود کو مت پکاریئے گا، ورنہ آپ بھی معذبین میں ہو جائیں گے۔ اور آپؐ اپنی نزدیکی قرابت والوں کو ڈرایئے۔ اور ان لوگوں سے تواضع کے ساتھ پیش آیئے جو مومن ہو کر آپؐ کی پیروی کرنے والے ہوں۔

اللہ پر توکل رکھنے کی آپؐ کو تاکید تھی۔

(۹۸) فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ اِنَّكَ عَلَى الْحَقِّ الْمُبِيْنِ۔ (النمل-ع ۶)
اور آپؐ اللہ پر توکل رکھیئے۔ آپؐ بیشک صریح حق پر ہیں۔

خود آپؐ کی زبان سے کہلایا گیا، کہ میں تو اس پر مامور ہوں کہ خدائے ذوالجلال ہی کی عبادت کروں، اور قرآن پڑھ پڑھ کر سناتا رہوں۔

(۹۹) اِنَّمَا اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ رَبَّ هٰذِهِ الْبَلْدَةِ الَّذِيْ حَرَّمَهَا وَلَهٗ كُلُّ شَيْءٍ وَّ
مجھے تو بس یہی حکم ملا ہے کہ میں اس شہر کے مالک کی عبادت کروں، جس نے اس کو محترم بنایا ہے،

اُمِرْتُ اَنْ اَکُوْنَ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ وَ اَنْ اَتْلُوَا الْقُرْاٰنَ ۔ (النمل ۔ ع ۷)

اور سب چیزیں اسی کی ہیں اور مجھے یہ حکم ہوا ہے کہ میں فرماں برداروں میں شامل رہوں اور یہ کہ میں قرآن پڑھ کر سناتا رہوں ۔

آپؐ کو مخاطب کر کے صاف صاف کہا گیا، کہ آپؐ تو اس کتاب آسمانی کے امیدوار ہی نہ تھے ۔ یہ تو محض فضل خداوندی سے آپؐ پر نازل ہوگئی ۔ تو آپؐ کافروں کی طرفداری ہرگز نہ کریں ۔ اور نہ یہ لوگ آپؐ کو احکام الٰہی کی طرف سے ذرا بھی روکنے پائیں ۔ بلکہ آپؐ دعوتِ توحید دیتے رہیئے، اور مشرکوں میں شامل ہرگز نہ ہو جیئے ۔

(۱۰۰) وَمَا کُنْتَ تَرْجُوْٓا اَنْ یُّلْقٰٓی اِلَیْکَ الْکِتٰبُ اِلَّا رَحْمَۃً مِّنْ رَّبِّکَ فَلَا تَکُوْنَنَّ ظَھِیْرًا لِّلْکٰفِرِیْنَ ○ وَلَا یَصُدُّنَّکَ عَنْ اٰیٰتِ اللّٰہِ بَعْدَ اِذْ اُنْزِلَتْ اِلَیْکَ وَادْعُ اِلٰی رَبِّکَ وَلَا تَکُوْنَنَّ مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ ○ وَلَا تَدْعُ مَعَ اللّٰہِ اِلٰھًا اٰخَرَ ۔ (القصص ۔ ع ۹)

اور آپؐ کو یہ توقع بھی نہ تھی کہ آپؐ پر یہ کتاب نازل کی جائے گی مگر محض آپؐ کے پروردگار کی رحمت سے (اس کا نزول ہوا) تو آپؐ کافروں کے ذرا بھی پشت پناہ نہ بنیئے ۔ اور جب اللہ کے احکام آپؐ کو پہنچ جائیں تو ایسا ہرگز نہ ہونے پائے کہ یہ لوگ آپؐ کو اُن سے روک دیں ۔ اور آپؐ اپنے پروردگار کی طرف بلاتے رہیئے اور مشرکوں میں ہرگز نہ شامل ہو جایئے ۔ اور اللہ کے سوا کسی معبود کو نہ پکاریئے ۔

اللہ کے وعدوں پر صبر کیئے رہنے کا حکم آپؐ کو بھی تھا اور یہ تنبیہ بھی، کہ کہیں بے دین لوگ آپ کے پائے استقامت میں لغزش نہ پیدا کر دیں ۔

(۱۰۱) فَاصْبِرْ اِنَّ وَعْدَ اللّٰہِ حَقٌّ وَّلَا یَسْتَخِفَّنَّکَ الَّذِیْنَ لَا یُوْقِنُوْنَ ۔ (الروم ۔ ع ٦)

سو آپؐ صبر کیجیئے، بے شک اللہ کا وعدہ سچا ہے اور بے یقین لوگ آپؐ کو بے برداشت نہ کرنے پائیں ۔

اللہ سے ڈرتے رہیئے، کافروں، منافقوں کے کہے میں آجایئے ۔ صرف پیروی وحی

کئے جائیے۔ اور اللہ پر توکل رکھنے کے احکام کے مخاطب آپؐ ہی ہیں۔

(۱۰۲) يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اتَّقِ اللّٰهَ وَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ۝ وَّاتَّبِعْ مَا يُوْحٰٓى اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ط اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ۝ وَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا۔ (الاحزاب۔ع ۱)

اے نبیؐ اللہ سے ڈرتے رہیئے۔ اور کافروں اور منافقوں کا کہنا نہ مانئے۔ بے شک اللہ بڑا علم والا، بڑا حکمت والا ہے۔ اور جو کچھ آپؐ کے پروردگار کی طرف سے وحی آپؐ پر آتی ہے اس کی پیروی کرتے رہیئے۔ بے شک اللہ تمہارے سب اعمال کی خبر رکھتا ہے۔ اللہ پر بھروسا رکھیے اللہ ہی کافی کارساز ہے۔

اجمالاً انہیں احکام کی تکرار پھر ایک بار ہے۔

(۱۰۳) وَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ وَدَعْ اَذٰىهُمْ وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا۔ (الاحزاب۔ع ۶)

اور کافروں اور منافقوں کا کہنا نہ مانئے اور ان کی طرف سے جو تکلیف پہنچے اس کا خیال نہ کیجیے۔ اور اللہ پر بھروسا رکھیے اور اللہ کافی کارساز ہے۔

اور جب آپؐ بہ نفس نفیس مکلّف ہر طرح احکام شریعت کے تھے۔ تو آپؐ کی ازواج کے ساتھ بھی کوئی رعایت کیوں ہوتی، بلکہ ان کے علوئے مرتبہ کے لحاظ سے اُن کے لئے تو سزا اور دُگنی ہے۔

(۱۰۴) يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ مَنْ يَّاْتِ مِنْكُنَّ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ يُّضٰعَفْ لَهَا الْعَذَابُ ضِعْفَيْنِ ط وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرًا۔

(الاحزاب۔ع ۴)

اے نبیؐ کی بی بیو، تم میں سے جو کوئی کھلی ہوئی بیہودگی کرے گی، اس کو سزا بھی دُہری ملے گی۔ اور یہ بات اللہ کے لئے آسان ہے۔

ان بی بی صاحبان کے جہاں مرتبے بلند تھے، وہیں ان کی ذمہ داریاں بھی کچھ کم نہ تھیں۔ فرائض، احکام و تعزیرات میں اُن کے ساتھ ذرا رعایت نہ تھی۔

(۱۰۵) يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ لَسْتُنَّ كَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ اِنِ اتَّقَيْتُنَّ فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ فَيَطْمَعَ الَّذِيْ فِيْ قَلْبِهٖ مَرَضٌ وَّقُلْنَ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ۝ وَقَرْنَ فِيْ بُيُوْتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْاُوْلٰى وَاَقِمْنَ الصَّلٰوةَ وَاٰتِيْنَ الزَّكٰوةَ وَاَطِعْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ؕ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا۔
(الاحزاب ۔ ع ۴)

اے نبی کی بی بیو، تم معمولی عورتوں کی طرح نہیں ہو، اگر تم تقویٰ اختیار کئے رہو۔ تو تم بولنے میں نزاکت مت اختیار کرو جس سے ایسے شخص کو ہوس پیدا ہونے لگتی ہے۔ جس کے قلب میں بیماری ہے اور جاہلیت قدیم کے دستور کے مطابق اپنے کو دکھاتی نہ پھرو۔ اور نمازوں کی پابندی رکھو، اور زکوٰۃ دیتی رہو، اور اللہ اور اس کے رسولؐ کی اطاعت کرتی رہو۔ اللہ کو تو بس یہ منظور ہے کہ اے (پیغمبرؐ کے) گھر والو، تم سے آلودگی کو دور رکھے، اور تم کو خوب پاک صاف رکھے۔

احکام میں اگر آپؐ کے مخصوص حالات کی بنا پر کچھ نرمی آپؐ کی ذات کے ساتھ تھی بھی، تو دوسری طرف بعض قیدیں بھی آپؐ کے لئے زائد تھیں۔ چنانچہ جہاں ازواج مبارک آپؐ کے لئے چار سے زائد جائز ہوئیں۔ وہیں ایک خاص وقت پر یہ قید بھی آپؐ کے لئے لگ گئی، کہ اب آپ نہ کوئی نیا عقد کر سکتے ہیں اپنی پسند و خواہش کے باوجود، نہ کسی پرانی بی بی صاحبہ کے بجائے کوئی دوسری لا سکتے ہیں۔

(۱۰۶) لَا يَحِلُّ لَكَ النِّسَآءُ مِنْۢ بَعْدُ وَلَآ اَنْ تَبَدَّلَ بِهِنَّ مِنْ اَزْوَاجٍ وَّلَوْ اَعْجَبَكَ حُسْنُهُنَّ۔ (الاحزاب ع ۶)

اب ان کے علاوہ نہ اور عورتیں آپؐ کے لئے جائز ہیں اور نہ یہ جائز ہے کہ آپؐ ان بی بیوں کی جگہ دوسری بی بیاں کر لیں اگرچہ آپؐ کو ان کا حسن بھلا ہی لگے۔

توحید خالص اور عبادتِ الٰہی پر ماموریت کا حکم آپؐ کو بار بار ملنا۔

(۱۰۷) فَاعْبُدِ اللّٰهَ مُخْلِصًا

آپؐ اعتقاد خالص کر کے اللہ ہی کی

لَهُ الدِّيْنَ ۔ (الزمر۔ ع ۱)	عبادت کرتے رہیئے۔

اور آگے چل کر اس سے زیادہ زور و تاکید اور اس کے خلاف پر وعید و تہدید کے ساتھ۔

(۱۰۸) قُلْ اِنِّیْٓ اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ اللّٰهَ مُخْلِصًا لَّهُ الدِّيْنَ ○ وَاُمِرْتُ لِاَنْ اَكُوْنَ اَوَّلَ الْمُسْلِمِيْنَ ○ قُلْ اِنِّيْٓ اَخَافُ اِنْ عَصَيْتُ رَبِّيْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ○ قُلِ اللّٰهَ اَعْبُدُ مُخْلِصًا لَّهٗ دِيْنِيْ ۔ (الزمر۔ ع ۲)	آپؐ کہہ دیجئے کہ مجھے یہ حکم ہوا ہے کہ اللہ کی اس طرح عبادت کروں کہ دین کو اس کے لئے خالص رکھوں۔ اور مجھے حکم ہے کہ میں سب سے پہلا فرماں بردار ہوں آپؐ کہہ دیجئے کہ اگر میں اپنے پروردگار کا کہنا نہ مانوں تو مجھے ایک بڑے دن کے عذاب کا اندیشہ ہے۔ آپؐ کہہ دیجئے کہ میں اللہ کی عبادت اس طرح کرتا ہوں کہ دین کو اس کے لئے خالص رکھتا ہوں۔

عذاب کی وعید، شرک پر، جس طرح سب کے لئے تھی، خود آپؐ کے لئے بھی تھی۔

(۱۰۹) لَقَدْ اُوْحِيَ اِلَيْكَ وَاِلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكَ لَئِنْ اَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ وَلَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ○ بَلِ اللّٰهَ فَاعْبُدْ وَكُنْ مِّنَ الشّٰكِرِيْنَ ۔ (الزمر۔ ع ۷)	آپؐ کی طرف بھی اور جو (پیمبرؑ) آپؐ کے قبل بھی ہو چکے ہیں، اُن کی طرف بھی وحی آ چکی ہے کہ اگر تو نے شرک کیا، تو تیرا کیا کرایا اکارت جائے گا۔ اور تو یقیناً خسارے میں پڑے گا۔ تو اب اللہ ہی کی عبادت کیجئے اور شکر گزار رہیئے۔

ممانعت شرک اور تاکید توحید ایک اور موقع پر۔

(۱۱۰) قُلْ اِنِّيْ نُهِيْتُ اَنْ اَعْبُدَ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَمَّا جَآءَنِيَ الْبَيِّنٰتُ مِنْ رَّبِّيْ وَاُمِرْتُ اَنْ اُسْلِمَ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۔ (المومن ۔ ع ۷)	آپؐ کہہ دیجئے کہ مجھے اس کی ممانعت ہے کہ میں ان کی عبادت کروں۔ جن کو یہ اللہ کے سوا پکارتے ہیں جبکہ میرے پاس میرے پروردگار کی نشانیاں آ چکیں اور مجھے یہ حکم ہوا ہے کہ میں پروردگار عالم کے سامنے گردن جھکا لوں۔

آپؐ کو صبر و تحمل کی مزید تاکید۔

(۱۱۱) فَاصْبِرْ اِنَّ وَعْدَ اللّٰہِ حَقٌّ۔ (المومن ۔ ع ۸)

آپؐ صبر کئے رہیئے۔ بے شک اللہ کا وعدہ برحق ہے۔

آپؐ کی زبان سے ایک بار اس کا اعتراف کہ اللہ ہی پر میرا بھروسا ہے اور اللہ ہی کی طرف میں رجوع کرنے والا بھی ہوں۔

(۱۱۲) ذٰلِکُمُ اللّٰہُ رَبِّیْ عَلَیْہِ تَوَکَّلْتُ وَاِلَیْہِ اُنِیْبُ۔ (الشوریٰ ۔ ع ۲)

یہی ہے اللہ میرا پروردگار۔ اسی پر توکل رکھتا ہوں اور اسی کی طرف رجوع کرتا ہوں۔

آپؐ کو استقامت توحید و طاعت اور اجتناب شرک اور قیام عدل کا حکم ایک بار اور :

(۱۱۳) فَلِذٰلِکَ فَادْعُ وَاسْتَقِمْ کَمَآ اُمِرْتَ وَلَا تَتَّبِعْ اَھْوَآءَھُمْ وَقُلْ اٰمَنْتُ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰہُ مِنْ کِتٰبٍ وَّ اُمِرْتُ لِاَعْدِلَ بَیْنَکُمْ۔ (الشوریٰ۔ ع ۲)

سو آپؐ اسی کی طرف بلاتے جائیے، اور جس طرح آپؐ کو حکم ہوا ہے۔ اُس پر قائم رہیئے اور ان کی خواہشوں پر نہ چلئے آپؐ کہہ دیجئے کہ اللہ نے جو بھی کتابیں اتاری ہیں میں اُن پر ایمان رکھتا ہوں۔ اور مجھ کو یہ حکم ہوا ہے کہ تمہارے درمیان عدل رکھوں۔

آپؐ اس پر مامور تھے کہ کتاب الٰہی سے برابر تمسک کئے رہیں۔ اور یہ کتاب خود آپؐ کے لئے بھی ایک شرف کی چیز تھی۔

(۱۱۴) فَاسْتَمْسِکْ بِالَّذِیْٓ اُوْحِیَ اِلَیْکَ اِنَّکَ عَلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ○ وَاِنَّہٗ لَذِکْرٌ لَّکَ وَلِقَوْمِکَ۔ (الزخرف ۔ ع ۴)

آپؐ تمسک کرتے رہیئے اس (کلام) سے جو آپؐ پر وحی کیا گیا ہے، بے شک آپؐ سیدھے راستہ پر ہیں۔ اور یہ (قرآن) باعث شرف ہے آپؐ کے لئے اور آپؐ کی امّت کے لئے۔

تاکید کے ساتھ آپؐ کو حکم ملا، کہ آپؐ پر شریعت الٰہی نازل ہوئی ہے اُسی پر قائم و دائم

رہئے۔ اور دوسروں کے طریقے نہ اختیار کیجئے۔ وہ ہرگز اللہ کے مقابلہ میں کام آنے کے نہیں۔

(۱۱۵) ثُمَّ جَعَلْنٰكَ عَلٰى شَرِيْعَةٍ مِّنَ الْاَمْرِ فَاتَّبِعْهَا وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ○ اِنَّهُمْ لَنْ يُّغْنُوْا عَنْكَ مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا۔ (الجاثیہ۔ ع ۲)

پھر ہم نے آپؐ کو دین کے ایک خاص طریقہ پر قائم کر دیا، سو آپؐ اُسی پہ چلتے رہئے۔ اور بے علموں کی خواہشوں پر نہ چلئے یہ لوگ اللہ کے مقابلہ میں آپؐ کے ذرا کام نہیں آسکتے۔

منکروں کی اذیّت رسانی پر آپؐ کو صبر و ثبات کی تاکید بار بار ہوئی ہے اور قدیم پیمبروںؑ کے اُسوہ پر بھی آپ کو توجہ دلائی گئی۔ مثلاً کہیں پر یہ کہ

(۱۱۶) فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ اُولُوا الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ وَلَا تَسْتَعْجِلْ لَّهُمْ۔ (الاحقاف۔ ع ۴)

تو آپؐ صبر کیجئے، جیسا کہ اولوالعزم پیمبر صبر کرتے رہے ہیں۔ اور ان لوگوں کے لئے (عذاب کی) جلدی نہ کیجئے۔

اور کہیں یوں صبر و عبادت کی تاکید ساتھ ساتھ۔

(۱۱۷) فَاصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَ قَبْلَ الْغُرُوْبِ ○ وَمِنَ الَّيْلِ فَسَبِّحْهُ وَاَدْبَارَ السُّجُوْدِ۔ (قٓ۔ ع ۳)

ان لوگوں کی باتوں پر صبر کیجئے اور اپنے پروردگار کی تسبیح و حمد کریئے آفتاب نکلنے سے پہلے اور (اس کے) چھپنے سے پہلے۔ اور رات میں بھی اس کی تسبیح کرتے رہیئے اور نمازوں کے بعد بھی۔

اور ایک بار پھر حکم صبر کو حکم تسبیح و حمد کے ساتھ ملا کر بیان فرمایا ہے۔

(۱۱۸) وَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ فَاِنَّكَ بِاَعْيُنِنَا وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ حِيْنَ تَقُوْمُ ○ وَ مِنَ الَّيْلِ فَسَبِّحْهُ وَاِدْبَارَ النُّجُوْمِ۔ (الطور۔ ع ۲)

آپؐ اپنے پروردگار کی تجویز پر صبر سے بیٹھے رہیے کہ آپؐ بے شبہ ہماری حفاظت میں ہیں۔ اور اُٹھتے وقت اپنے پروردگار کی تسبیح و حمد کیجئے اور رات میں بھی اس کی تسبیح کیا کیجئے۔ اور ستاروں سے پیچھے بھی۔

تذکیر کا حکم بھی آپؐ کو بار بار ملتا رہا ہے۔ کہیں قرآن مجید کی قید کے ساتھ، مثلاً

(۱۱۹) فَذَكِّرْ بِالْقُرْاٰنِ مَنْ يَّخَافُ وَعِيْدِ ۔ (قٓ۔ ع ۳)

آپؐ قرآن کے ذریعہ تذکیر اس کی کرتے رہیئے، جو کوئی میری وعید سے ڈرتا ہے۔

اور کہیں بلا اس قید کے اور سرکشوں سے بے التفاتی کے حکم کے ساتھ۔

(۱۲۰) فَتَوَلَّ عَنْهُمْ فَمَآ اَنْتَ بِمَلُوْمٍ وَّ ذَكِّرْ فَاِنَّ الذِّكْرٰى تَنْفَعُ الْمُؤْمِنِيْنَ۔ (الذاریٰت ۔ ع ۳)

آپؐ ان (سرکشوں) کی طرف التفات نہ کیجئے، کیونکہ آپؐ پر کسی طرح کا الزام نہیں۔ اور تذکیر کرتے رہیئے کہ تذکیر ایمان والوں کو نفع دیتی ہے۔

منکروں، معاندوں کی طرف سے تولّی و اعراض کا حکم آپؐ کو بار بار ملا ہے، کہ ان سب سے صرفِ نظر کر کے بس اپنے کام میں لگے رہیئے مثلاً

(۱۲۱) فَاَعْرِضْ عَنْ مَّنْ تَوَلّٰى عَنْ ذِكْرِنَا وَلَمْ يُرِدْ اِلَّا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا۔ (النجم ۔ ع ۲)

آپؐ ایسے شخص سے اپنی توجہ ہٹا لیجئے جو ہماری نصیحت سے روگردانی کئے ہوئے ہے اور جس کا مقصود بجز دنیوی زندگی کے اور کچھ نہیں۔

یا یہ کہ

(۱۲۲) فَمَا تُغْنِ النُّذُرُ ۝ فَتَوَلَّ عَنْهُمْ (القمر۔ ع ۱)

ڈراوے انہیں کچھ فائدہ ہی نہیں دیتے تو آپؐ ان کی طرف سے نظر پھیرے رہیئے۔

آپؐ کو خبردار کیا گیا، کہ کہیں آپؐ منکرین معاندین کے کہے میں نہ آجائیں۔

(۱۲۳) فَلَا تُطِعِ الْمُكَذِّبِيْنَ ۝ وَدُّوْا لَوْ تُدْهِنُ فَيُدْهِنُوْنَ ۝ وَلَا تُطِعْ كُلَّ حَلَّافٍ مَّهِيْنٍ ۔ (القلم ۔ ع ۱)

تو آپؐ جھٹلانے والوں کا کہا نہ مانیئے یہ لوگ تو چاہتے ہی ہیں کہ آپؐ ڈھیلے پڑیں۔ تو یہ بھی ڈھیلے پڑ جائیں۔ اور اس کے کہے میں بھی نہ آیئے جو (جھوٹی) قسمیں کھانے والا، کمینہ ہے۔

آپؐ کو حکم تو برابر تسبیح و استغفار کا تھا۔

(۱۲۴) فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيمِ۔ (الحاقہ ۔ ع ۲)
آپؐ اپنے پروردگار بزرگ کے نام کی تسبیح کیجئے۔

(۱۲۵) فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ۔ (النصر)
اپنے پروردگار کی حمد و تسبیح میں لگے رہیئے اور اس سے طلب مغفرت کرتے رہیئے۔

حکم صبر کی تاکید بار بار ہوئی ہے۔

(۱۲۶) فَاصْبِرْ صَبْرًا جَمِيلًا۔ (المعارج ع ۱)
تو آپؐ صبر کرتے رہیئے صبر جمیل۔

اور کہیں صبر کے ساتھ تاکید ذکر و عبادت کی ملی جلی ہوئی ہے۔

(۱۲۷) فَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ وَلَا تُطِعْ مِنْهُمْ آثِمًا أَوْ كَفُورًا ○ وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ بُكْرَةً وَأَصِيلًا ○ وَمِنَ اللَّيْلِ فَاسْجُدْ لَهُ وَسَبِّحْهُ لَيْلًا طَوِيلًا۔ (الدھر ۔ ع ۲)
تو آپؐ اپنے پروردگار کے حکم پر صبر کئے بیٹھے رہیئے اور ان میں سے کسی فاسق یا کافر کے کہے میں نہ آیئے اور کسی قدر رات کے حصے میں بھی اس کو سجدہ کیا کیجئے۔ اور اس کی تسبیح رات کے بڑے حصے میں کیا کیجئے۔

عبادت الٰہی پر اور ترک و تبتل پر تو آپؐ امت سے زیادہ ہی مامور تھے۔

(۱۲۸) قُمِ اللَّيْلَ إِلَّا قَلِيلًا ○ نِصْفَهُ أَوِ انْقُصْ مِنْهُ قَلِيلًا أَوْ زِدْ عَلَيْهِ وَرَتِّلِ الْقُرْآنَ تَرْتِيلًا ○ إِنَّا سَنُلْقِي عَلَيْكَ قَوْلًا ثَقِيلًا۔ (المزمل ۔ ع ۱)
رات کو کھڑے رہا کیجئے سوا تھوڑی سی رات کے، یعنی نصف رات یا اُس نصف سے کچھ کم کر کے یا اس پر کچھ بڑھا کر اور قرآن خوب صاف صاف پڑھا کیجئے۔ ہم آپ پر عنقریب ایک بھاری کلام ڈالنے کو ہیں۔

(۱۲۹) إِنَّ لَكَ فِي النَّهَارِ سَبْحًا طَوِيلًا وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَتَبَتَّلْ إِلَيْهِ تَبْتِيلًا۔ (المزمل ۔ ع ۱)
بے شک آپؐ کے ذمہ دن میں بھی بہت کام ہیں اور اپنے پروردگار کے نام کا ذکر کرتے رہیئے۔ اور سب سے کٹ کر اس کی طرف متوجہ رہیئے۔

(۱۳۰) لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَاتَّخِذْهُ وَكِيْلًا ○ وَاصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ وَاهْجُرْهُمْ هَجْرًا جَمِيْلًا ۔ (المزمل - ع ۱)

کوئی معبود نہیں سوا اس ایک کے، سو اُسی کو اپنا کارساز رکھئے اور یہ لوگ جیسی جیسی باتیں سناتے ہیں ان پر صبر کیجئے اور ان سے خوبصورتی کے ساتھ الگ ہو جائیے۔

آپؐ ماموری نہ تھے، بلکہ قرآن شہادت دیتا ہے کہ آپؐ عملاً بھی عبادت شاقہ انجام دیتے رہتے۔

(۱۳۱) اِنَّ رَبَّكَ يَعْلَمُ اَنَّكَ تَقُوْمُ اَدْنٰى مِنْ ثُلُثَيِ الَّيْلِ وَنِصْفَهٗ وَثُلُثَهٗ ۔ (المزمل - ع ۲)

آپؐ کا پروردگار واقف ہے کہ آپؐ دو تہائی رات اور آدھی آدھی رات اور ایک ایک تہائی رات (عبادت کے لئے) کھڑے رہتے ہیں۔

عبادت و ذکر و صبر کی تاکید ایک اور عنوان سے :

(۱۳۲) قُمْ فَاَنْذِرْ ○ وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ ○ وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ ○ وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ ○ وَلَا تَمْنُنْ تَسْتَكْثِرُ ○ وَلِرَبِّكَ فَاصْبِرْ ○ (المدثر - ع ۱)

اُٹھئے، پھر ڈرایئے، اور اپنے پروردگار کی بڑائی بیان کیجئے۔ اور اپنے کپڑوں کو پاک رکھئے اور (بتوں کی) گندگی سے الگ رہیئے۔ اور کسی کو اس غرض سے نہ دیجئے کہ اس سے زیادہ حاصل کیجئے۔ اور اپنے پروردگار کی خاطر صبر کرتے رہیئے۔

تذکیر کی تاکید ابھی آپؐ کو اتنی ہو چکی ہے۔ اب اُسی کا ایک اور حکم۔

(۱۳۳) فَذَكِّرْ اِنْ نَّفَعَتِ الذِّكْرٰى ۔ (الاعلٰی)

آپؐ تذکیر کرتے رہیئے اگر تذکیر کرنا مفید ہوتا ہے۔

مشرکوں کے کہے میں نہ آنے، اور سجدہ سے حصولِ قرب کا آخری حکم۔

(۱۳۴) كَلَّا ۭ لَا تُطِعْهُ وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ ۔ (العلق)

ہرگز نہیں، آپؐ اس (منکر مکذب) کا کہنا نہ مانئے۔ اور سجدہ کرتے رہیئے اور قرب حاصل کرتے رہیئے۔

غرض یہ کہ جہاں تک عبدیت و مسئولیت کا تعلق ہے، حضرات انبیاءؑ نہ صرف عام افراد بشری کے ہم سطح ہوتے ہیں، بلکہ ان پر ذمہ داریاں اور فرائض تو عام افراد بشری سے زیادہ ہی عائد ہوتے ہیں۔

باب (۲)

قدرت اور انبیاءؑ

دوسری صفات کی طرح صفت قدرت بھی انبیاءؑ برحق کی محدود ہی ہوتی ہے۔ اور شرک پسند قوموں کو ٹھوکر ان کی صفت علم کی طرح صفت قدرت ہی میں سب سے زیادہ لگی ہے۔ ہادیان طریق کو عموماً قادرِ مطلق ہی سمجھ لیا گیا ہے، اور اسی مفروضہ کی بنا پر حاجت روا و مشکل کشا بھی انہیں قرار دے لیا گیا ہے۔ قرآن مجید نے اس عقیدہ جاہلی کی تردید، ہر پہلو اور ہر جہت سے کی ہے۔

پہلی اور سب سے مقدم بات یہ ہے کہ پیمبروں کا کام صرف تبلیغ پیام ہے یہ اپنی اُمّت پر کوئی حاکم یا داروغہ بنا کر مسلط نہیں کئے جاتے، جو بہ جبر انہیں ہدایت پر لے ہی آئیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کرکے ارشاد ہوتا ہے۔

(۱) اِنَّمَآ اَنْتَ مُذَكِّرٌ ۝ لَسْتَ عَلَيْهِمْ بِمُصَيْطِرٍ۔ (الغاشیہ)
آپؐ تو بس نصیحت ہی کرنے والے ہیں کچھ ان پر مسلّط (کرکے) نہیں (بھیجے گئے) ہیں۔

یہ ارشاد بار بار ہوا ہے۔

(۲) وَمَآ اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِوَكِيْلٍ۔
آپؐ کچھ ان پر داروغہ نہیں ہیں۔

(الانعام۔ ع ۱۳)

یہی ہدایت ایک برائے نام لفظی فرق کے ساتھ۔

(۳) قُلْ لَّسْتُ عَلَيْكُمْ بِوَكِيْلٍ۔
کہہ دیجئے کہ میں تم پر کچھ داروغہ نہیں ہوں۔

(الانعام ۔ ع ۸)

یا یوں

(۴) وَمَآ اَرۡسَلۡنٰكَ عَلَيۡهِمۡ وَكِيۡلًا ۔ — ہم نے آپؐ کو ان پر داروغہ بنا کر نہیں بھیجا۔

(بنی اسرائیل - ع ۶)

یا پھر ذرا اور اضافے کے ساتھ۔

(۵) اَرَءَيۡتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ ؕ اَفَاَنۡتَ تَكُوۡنُ عَلَيۡهِ وَكِيۡلًا ۝ — کیا آپؐ نے اس کے حال پر بھی نظر کی، جس نے اپنا خدا اپنی خواہش کو بنایا، تو کیا آپؐ اس پر مسلط ہو کر رہ سکتے ہیں؟

(الفرقان - ع ۴)

ایک جگہ اور یہی مضمون ذرا تغیر لفظی کے ساتھ۔

(۶) وَمَآ اَنۡتَ عَلَيۡهِمۡ بِجَبَّارٍ ۔ — تو آپؐ ان پر کچھ جبر کرنے والے تو ہیں نہیں۔

(قٓ - ع ۳)

ایک جگہ اور، ایک دوسرے لفظ کے ساتھ۔

(۷) وَمَا جَعَلۡنٰكَ عَلَيۡهِمۡ حَفِيۡظًا ۔ — اور ہم نے آپؐ کو ان پر کچھ نگہبان تو بنایا نہیں۔

(الانعام - ع ۱۳)

اور اسی مضمون کو خود پیمبرؐ کی زبان سے دو دو بار ادا کرایا ہے۔

(۸) وَمَآ اَنَا عَلَيۡكُمۡ بِحَفِيۡظٍ ۔ (الانعام - ع ۱۳) — اور میں تم پر کچھ نگہبان تو ہوں نہیں۔

(۹) " " " " (ہود - ع ۸) " " "

کہیں اسی مضمون کو سوالیہ انداز میں دُہرایا ہے۔

(۱۰) اَفَاَنۡتَ تُكۡرِهُ النَّاسَ حَتّٰى يَكُوۡنُوۡا مُؤۡمِنِيۡنَ ۔ (یونس - ع ۱۰) — تو کیا آپؐ لوگوں کو مجبور کریں گے یہاں تک کہ وہ ایمان لے آئیں۔

یہ غلط فہمی ایک طرف تو منکروں اور مشرکوں کو منصبِ رسالت سے متعلق تھی کہ وہ اسے بھی رسالت کا ایک جزو سمجھ رہے تھے کہ پیمبر کسی طرح زبردستی اپنی اُمّت دعوت کو ایمان

لے آنے پر مجبور بھی کر دیں اور اوپر کی ساری آیتیں اسی غلط فہمی کے ازالہ کے لئے تھیں۔
لیکن دوسری طرف خود پیمبروں اور بالخصوص ہمارے پیغمبر اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ حال تھا کہ افراط شفقت کی بنا پر دل سے یہی دھن لگی ہوئی تھی کہ مخاطبین میں کوئی بھی نعمتِ ایمان سے محروم نہ رہے، سب کے سب دعوت توحید قبول ہی کر لیں۔ اس لئے خود ان حضرات کو بھی بار بار آگاہ کیا گیا کہ آپؐ کو نہ یہ قدرت حاصل، اور نہ آپؐ کی خواہش کو اس میں کچھ دخل۔ یہ دعوت ایمان کا قبول ورد، اللہ تعالےٰ نے تمام تر اپنی مشیت تکوینی کے ماتحت رکھا ہے۔

حضورؐ کو مخاطب کر کے ارشاد ہوا ہے۔

(۱۱) وَمَآ اَكْثَرُ النَّاسِ وَلَوْ حَرَصْتَ بِمُؤْمِنِيْنَ۔ (یوسف۔ ع ۱۱)
اکثر لوگ ایمان نہیں لانے کے، گو آپؐ کو (اس کی) حرص ہی ہو۔

دوسری جگہ یہ مضمون یوں آیا ہے کہ اندھے جب اپنی قوت ارادی سے کام لے کر راستہ دیکھنا ہی نہیں چاہتے، تو آپؐ انہیں کیسے راہ راست پر لا سکتے ہیں۔

(۱۲) اَفَاَنْتَ تَهْدِی الْعُمْىَ وَلَوْ كَانُوْا لَا يُبْصِرُوْنَ۔ (یونس۔ع ۵)
تو کیا آپؐ اندھوں کو راہ دکھا دیں گے درآنحالیکہ وہ بصارت سے کام لینا ہی نہیں چاہتے؟

اور اس سے معًا پہلے

(۱۳) اَفَاَنْتَ تُسْمِعُ الصُّمَّ وَلَوْ كَانُوْا لَا يَعْقِلُوْنَ۔ (ایضًا)
تو کیا آپؐ بہروں کو سنا دیں گے درآنحالیکہ وہ سمجھنا ہی نہیں چاہتے؟

آیت کے یہی دونوں جزو پھر ایک جگہ دُہرائے گئے ہیں۔

(۱۴) اَفَاَنْتَ تُسْمِعُ الصُّمَّ اَوْ تَهْدِی الْعُمْىَ۔ (الزخرف۔ ع ۴)
تو کیا آپؐ بہروں کو سنا دیں گے، یا اندھوں کو راہ دکھا دیں گے؟

اور اسی سے ملتا جلتا مضمون ایک جگہ اور ہے۔

(۱۵) اِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى وَلَا تُسْمِعُ
آپؐ یقیناً نہ مُردوں کو سُنا سکتے ہیں اور نہ بہروں

الصُّمَّ الدُّعَآءَ اِذَا وَلَّوْا مُدْبِرِيْنَ ○ وَمَآ اَنْتَ بِهٰدِى الْعُمْيِ عَنْ ضَلٰلَتِهِمْ ؕ (النمل۔ ع ۶)

کو اپنی پکار سنا سکتے ہیں، جبکہ وہ پیچھے مڑ کر بھاگ رہے ہوں اور نہ آپؐ اندھوں کو ان کی گمراہی سے راہ راست پر لا سکتے ہیں۔

اور یہی آیت برائے نام لفظی بلکہ حرفی فرق کے ساتھ، سورۃ الروم ع ۵ میں — غرض یہ کہ پیمبروں کی بے بسی قبول ہدایت خلق کے باب میں واضح سے بھی بڑھ کر واضح ہے۔

پیمبروں، خصوصاً ہمارے پیغمبر اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کو بار بار بتایا گیا، کہ ان کی حیثیت بس ایک یاد دلانے والے، نصیحت کرنے والے تبلیغ کرنے والے کی ہے، اس سے زیادہ کچھ نہیں، ہدایت کا اختیار تمام تر اللہ کے ہاتھ میں ہے۔

(۱۶) اِنَّمَآ اَنْتَ نَذِيْرٌ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ وَّكِيْلٌ۔ (ہود۔ ع ۲)

آپ تو بس ایک ڈرانے والے ہیں اور ہر چیز کا مختار اللہ ہے۔

(۱۷) اِنَّمَآ اَنْتَ مُذَكِّرٌ ○ (الغاشیہ)

آپؐ تو اس کے سوا کچھ نہیں کہ ایک یاد دلانے والے ہیں۔

(۱۸) وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا مُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا۔ (بنی اسرائیل۔ ع ۱۲)

ہم نے آپؐ کو تو بس بشیر و نذیر ہی بنا کر بھیجا ہے۔

(۱۹) وَمَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ۔ (النور۔ ع ۷)

پیمبرؐ کے ذمہ تو صرف صاف صاف پہنچا دینا ہے (احکام و ہدایت کا)

اور یہی آیت مکرر ہو کر العنکبوت، ع ۲ میں بھی آئی ہے۔

کہیں خود پیمبرؐ کی زبان سے یہ کہلایا گیا ہے۔

(۲۰) فَمَنِ اهْتَدٰى فَاِنَّمَا يَهْتَدِىْ لِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ ضَلَّ فَقُلْ اِنَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُنْذِرِيْنَ۔ (النمل۔ ع ۷)

جس کسی نے راہ ہدایت اختیار کی، اس نے اپنے ہی لئے اختیار کی، اور جو گمراہ رہا تو آپؐ کہہ دیجئے کہ میں تو بس ایک ڈرانے والا ہی ہوں۔

(۲۱) اِنْ اَنْتَ اِلَّا نَذِیْرٌ۔ (الفاطر ع ۳) آپؐ تو بجز اس کے کہ ایک ڈرانے والے ہیں اور کچھ نہیں۔

آنحضورؐ کو مخاطب کر کے خاص طور پر یہ تلقین ہوئی ہے کہ آپؐ اسے راہ پر نہیں لا سکتے ہیں جسے آپؐ چاہیں، بلکہ یہ تو تمام تر اللہ کے ہاتھ میں ہے۔

(۲۲) اِنَّكَ لَا تَهْدِیْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَ لٰكِنَّ اللّٰهَ یَهْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ۔ (القصص۔ ع ۶)

آپؐ اسے ہدایت نہیں دے سکتے جسے آپ چاہیں، بلکہ اللہ ہی راہ ہدایت دکھا دیتا ہے۔ جس کے لئے اس کی مشیّت ہوتی ہے۔

ایک پیمبرؐ کی زبان سے یہ کہلایا ہے کہ میری ساری ہی ساری کوشش تبلیغ بے اثر رہے گی، اگر مشیّت الٰہی قبول حق کی تائید میں نہیں۔

(۲۳) وَلَا یَنْفَعُكُمْ نُصْحِیْٓ اِنْ اَرَدْتُّ اَنْ اَنْصَحَ لَكُمْ اِنْ كَانَ اللّٰهُ یُرِیْدُ اَنْ یُّغْوِیَكُمْ ؕ هُوَ رَبُّكُمْ وَ اِلَیْهِ تُرْجَعُوْنَ۔ (ہود۔ ع ۳)

(نوحؑ نے اپنی قوم سے کہا) میری خیر خواہی تمہارے کچھ کام نہیں آسکتی اگرچہ میں تمہاری کیسی ہی خیر خواہی کروں۔ جبکہ اللہ ہی کا ارادہ تمہیں گمراہ رکھنے کا ہو۔ وہی تمہارا پروردگار ہے۔ اور اسی کی طرف تم واپس کئے جاؤ گے۔

منکرین و مشرکین اپنے اپنے وقت کے پیمبروں سے برابر طالب معجزہ و خارق عادت کے ہوتے رہے ہیں اور انہیں چیلنج کرتے رہے ہیں کہ اگر بڑے خدا رسیدہ ہو تو فلاں فلاں اَن ہونی بات کر کے دکھا دو، ظاہر ہے کہ ایسے موقع پر دین کی نصرت و غلبہ کے لئے حضرات انبیاءؑ کیسی کچھ آرزو اور تڑپ چیلنج کی منظوری کی رکھتے ہوں گے اور کیسے بے قرار ہو کر رہتے ہوں گے، کہ منکروں کے مطالبے کسی طرح بھی پورے ہو کر رہیں۔ اس سب کے باوجود تعلیم اسی حقیقت کی ہوتی رہی، کہ انبیاءؑ کے اختیار میں کیا ہے، یہ سب تو محض اختیار خداوندی میں ہے۔

کہیں یہ حقیقت ایک کُلّی صورت میں بیان کی ہے۔

(۲۴) وَمَا كَانَ لِرَسُوْلٍ اَنْ يَّاْتِيَ بِاٰيَةٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ۔ — کسی رسول کے بس میں یہ نہیں کہ وہ ایک نشان (خاص) بھی بغیر اللہ کے حکم کے لاسکے۔

اور اسی حقیقت کو انہیں لفظوں میں ایک بار پھر سورۃ المؤمن ع ۸ میں دہرایا ہے۔ اور کہیں اسے خود پیمبروں کی زبان سے ادا کرایا ہے۔ عین موقع اشتعال پر اور منکروں کے چیلنج کے وقت،

(۲۵) وَمَا كَانَ لَنَآ اَنْ نَّاْتِيَكُمْ بِسُلْطٰنٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ۔ (ابراہیم۔ع ۲) — یہ ہمارے بس میں نہیں کہ ہم تمہیں کوئی معجزہ دکھا سکیں سوا اس صورت کے کہ اللہ ہی کا حکم ہو۔

اس آیت کا سیاق یہ ہے کہ اگلی امتیں اپنے اپنے پیمبروں سے شدید انکار کے ساتھ پیش آئی ہیں، اور انہیں دعوت دی ہے کہ بڑے سچے ہو تو کوئی معجزہ لا دکھاؤ نہ۔

اور پھر یہ حقیقت تو سادہ طور پر نبیؐ برحق کی زبان سے ادا کرائی گئی ہے کہ معجزات تو اللہ ہی اپنی قدرت سے دکھاتا ہے، اور میرا کام تو صرف متنبہ و خبردار کر دینا ہے۔

(۲۶) قُلْ اِنَّمَا الْاٰيٰتُ عِنْدَ اللّٰهِ ؕ وَ اِنَّمَآ اَنَا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ۔ (العنکبوت ع۵) — آپؐ کہہ دیجئے کہ نشانیاں تو بس اللہ ہی کے پاس ہیں، اور میں تو محض ایک کھلم کھلا ڈرانے والا ہوں۔

(۲۷) قُلْ اِنَّمَا الْاٰيٰتُ عِنْدَ اللّٰهِ۔ (الانعام۔ع ۱۳) — آپؐ کہہ دیجئے کہ نشانیاں تو بس اللہ ہی کے پاس ہیں۔

منکروں کی طرف سے مطالبے معجزے ہی کے ہوتے تھے اور جواب میں پیمبرؐ کی بے اختیاری کا بیان ہوتا تھا۔

(۲۸) وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ اِنَّمَآ اَنْتَ مُنْذِرٌ وَّلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ ۔ (الرعد۔ع ۱) — اور کافر یہ کہتے ہیں کہ ان پر کوئی نشانی ان کے پروردگار کی طرف سے کیوں نہ اُتری (حالانکہ آپؐ تو محض ڈرانے والے ہی ہیں، اور ہر قوم کے

ایک رہبر ہے۔

اور کہیں اس عجز اور بے اختیاری کا اظہار خود پیمبرؐ کی زبان سے کرایا ہے۔

(۲۹) مَا عِنۡدِیۡ مَا تَسۡتَعۡجِلُوۡنَ بِہٖ ؕ اِنِ الۡحُکۡمُ اِلَّا لِلّٰہِ ۔ (الانعام ۔ ع ۷)	میرے پاس وہ نہیں جس کے لئے تم جلدی مچا رہے ہو۔ اختیار تو بس تمام تر اللہ ہی کا ہے۔

یا اسی سے ملتے جلتے ہوئے الفاظ۔

(۳۰) قُلۡ لَّوۡ اَنَّ عِنۡدِیۡ مَا تَسۡتَعۡجِلُوۡنَ بِہٖ لَقُضِیَ الۡاَمۡرُ بَیۡنِیۡ وَ بَیۡنَکُمۡ ۔ (الانعام ۔ ع ۷)	آپؐ کہہ دیجئے کہ میرے پاس اگر وہ ہوتا جس کی تم جلدی مچا رہے ہو، تو بس میرا تمہارا فیصلہ ہی (اب تک) ہو چکا ہوتا۔

پیمبروں کو ہدایت یہ ہوتی ہے کہ منکروں سے کہہ دیں، کہ نتائج کا انتظار تم بھی کرو اور میں بھی کر رہا ہوں۔

(۳۱) قُلِ انۡتَظِرُوۡۤا اِنَّا مُنۡتَظِرُوۡنَ ۔ (الانعام ۔ ع ۲۰)	آپؐ (ان سے) کہہ دیجئے کہ تم بھی انتظار کرو اور ہم لوگ بھی انتظار کر رہے ہیں۔

ایک جگہ حضرت عیسیٰؑ کے معجزات کا ذکر ہے، کہ اُن کی پھونک سے مصنوعی پرندے اُڑنے لگتے تھے۔ اور نابینا اور مبروص اُن سے اچھے ہو جاتے تھے، ان سب جگہ قید ''باذنی'' (میرے حکم سے) کی لگی ہوئی ہے۔ اور آیت متعلقہ کے اندر یہ لفظ تین تین بار آیا ہے (المائدہ ع ۱۵)

پھر پیغمبرؑ اپنی والی جو کچھ سعی اصلاح کرتے ہیں اُسے بھی منسوب اپنی جانب نہیں کرتے۔ وہ جو کچھ بھی ان سے بن پڑتی ہے۔ وہ محض توفیق الٰہی سے ہوتی ہے۔ ایک پیمبر برحق حضرت شعیبؑ کی زبان سے اس کا پورا اعتراف موجود ہے۔

(۳۲) اِنۡ اُرِیۡدُ اِلَّا الۡاِصۡلَاحَ مَا اسۡتَطَعۡتُ ؕ وَ مَا تَوۡفِیۡقِیۡۤ اِلَّا بِاللّٰہِ ؕ	میں تو بس اصلاح ہی چاہتا ہوں۔ جتنی بھی میرے بس میں ہو۔ اور مجھے جو کچھ بھی توفیق ہو جاتی ہے

عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَاِلَيْهِ اُنِيْبُ۔ (ہود۔ ع ۸)

وہ بھی بس اللہ ہی کی مدد سے اسی پر بھروسا رکھتا ہوں، اور اسی کی طرف رجوع کرتا ہوں۔

پیمبروں کے لئے ظاہری قوت وغلبہ ہرگز لازمی نہیں۔ بہت مرتبہ ایسا ہوا ہے کہ وہ منکروں کا مقابلہ مادّی قوت سے بالکل نہ کرسکے۔ اور اس کا اظہار بھی حسرت سے کیا ہے۔ حضرت لوطؑ مخالفین کی یورش و یلغار دیکھ کر بولے۔

(۳۳) لَوْ اَنَّ لِيْ بِكُمْ قُوَّةً اَوْ اٰوِيْٓ اِلٰى رُكْنٍ شَدِيْدٍ۔ (ہود۔ ع ۷)

کاش مجھ میں تمہارے مقابلہ کی قوت ہوتی، یا میں کسی مضبوط پائے کی پناہ پکڑتا۔

اور حضرت نوحؑ نے تو عاجز آکر دعا ہی یہ کی ہے۔

(۳۴) اَنِّيْ مَغْلُوْبٌ فَانْتَصِرْ۔ (القمر۔ ع ۱)

میں درماندہ ہوں تو تو (میری طرف سے) انتقام لے لے۔

حضرت ہارونؑ نے اپنے ہی والوں کے مقابلہ میں اپنے آپ کو مغلوب پایا۔ اور وہ بھی اس درجہ کو قتل ہوتے ہوتے بچے۔ چنانچہ حضرت موسیٰؑ جب پہاڑ سے واپس آئے، تو آپؑ نے اُن سے اسی طرح فریاد کی۔

(۳۵) قَالَ ابْنَ اُمَّ اِنَّ الْقَوْمَ اسْتَضْعَفُوْنِيْ وَكَادُوْا يَقْتُلُوْنَنِيْ۔ (الاعراف۔ ع ۱۸)

بولے کہ اے میرے ماں جائے (بھائی) ان لوگوں نے مجھے (بالکل ہی) ضعیف سمجھ لیا، اور قریب تھا کہ مجھ کو ہلاک کر ڈالیں،

اور خود حضرت موسیٰؑ نے اپنی بے بسی اپنی ہی قوم کے مقابلہ میں پوری طرح محسوس کی ہے۔ اور اللہ سے اس کی فریاد کی ہے۔

(۳۶) قَالَ رَبِّ اِنِّيْ لَآ اَمْلِكُ اِلَّا نَفْسِيْ وَاَخِيْ فَافْرُقْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ الْقَوْمِ الْفٰسِقِيْنَ۔ (المائدہ۔ ع ۴)

عرض کی کہ اے پروردگار میں تو بس اپنی جان اور اپنے بھائی ہی پر اختیار رکھتا ہوں تو تو ہی ہم دونوں، اور اس نافرمان قوم کے درمیان فیصلہ کردے۔

منکروں نے بعض پیمبروں سے خود ہی بڑی بے باکی سے اپنے غلبہ و تفوق اور پیمبروں کی بے بساطی کا اظہار کیا ہے۔ چنانچہ حضرت شعیبؑ کی قوم ان سے کہتی ہے۔

(۳۷) وَ اِنَّا لَنَرٰىكَ فِيْنَا ضَعِيْفًا وَلَوْلَا رَهْطُكَ لَرَجَمْنٰكَ وَمَآ اَنْتَ عَلَيْنَا بِعَزِيْزٍ۔ (ہود۔ ع ۸)

ہم تو تم کو اپنے درمیان کمزور ہی پاتے ہیں۔ اور اگر تمہاری برادری کا لحاظ نہ ہوتا تو ہم تم پر تو پتھراؤ ہی کر چکے ہوتے۔ اور تم ہمارے مقابلے میں کچھ طاقتور تو ہو نہیں۔

پیمبروں میں معصیتوں سے بچے رہنے کی جو قوت ہوتی ہے، یہ بھی اُن کی ذاتی نہیں، اللہ ہی کی مدد کا ایک ظہور ہوتا ہے۔ حضرت یوسفؑ کے قصّے میں ہے کہ جب زوجۂ عزیز نے آپؑ کو شریک معصیت کرنا چاہا ہے، تو قریب تھا کہ آپؑ بھی مائل ہو جاتے، کہ حق تعالیٰ کی طرف سے کسی تائید خصوصی نے آپؑ کو بالکل باز رکھا۔

(۳۸) لَقَدْ هَمَّتْ بِهٖ وَهَمَّ بِهَا لَوْلَآ اَنْ رَّاٰ بُرْهَانَ رَبِّهٖ۔ (یوسف۔ ع ۳)

اس عورت کے دل میں تو ان کا خیال جم ہی چکا تھا، اور ان کو بھی اس کا خیال ہو چلا تھا، اگر اپنے پروردگار کی دلیل (صریح) کو انہوں نے نہ دیکھ لیا ہوتا۔

پیمبروںؑ کو حق شفاعت دیا گیا ہے، اور ہمارے رسولؐ کا استغفار تو گنہگاروں کے حق میں نعمت ہے۔ لیکن ہمارے رسولؐ کا بھی یہ اکرام عظیم مستقل اور مطلق نہیں۔ موقعے ایسے بھی آئے۔ جہاں آپ کا یہ استغفار بے اثر رہا۔ منافقین عہد رسولؐ کے باب میں ہے۔

(۳۹) سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ اَسْتَغْفَرْتَ لَهُمْ اَمْ لَمْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ لَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ۔

ان لوگوں کے حق میں برابر ہے، آپؐ اُن کے حق میں استغفار کریں یا نہ کریں۔ اللہ ان کی مغفرت ہرگز نہ کرے گا۔

دوسری جگہ یہی مضمون اور زیادہ شدت بیان کے ساتھ آیا ہے۔

(۴۰) اِسْتَغْفِرْ لَهُمْ اَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ اِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِيْنَ مَرَّةً فَلَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ۔

(التوبۃ ۔ ع ۱۰)

آپؐ ان کے حق میں استغفار کریں یا نہ کریں۔ آپؐ اگر ستر بار بھی اُن کے حق میں استغفار کریں جب بھی اللہ ان کی مغفرت نہ کرے گا۔

دوسروں کے نفع و ضرر پر قادر ہونے کی نفی مطلق پیمبروں کی ذات سے کردی گئی ہے خود حضورؐ کو حکم ملا ہے۔

(۴۱) قُلْ اِنِّيْ لَآ اَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَّلَا رَشَدًا۔ (الجن ۔ ع ۲)

آپؐ کہہ دیجئے کہ میں تمہارے حق میں کسی ضرر کا اختیار رکھتا ہوں، نہ کسی بھلائی کا۔

اور دوسروں کے حق میں نافع یا ضار ہونا الگ رہا، پیمبروں کو یہ تعلیم ملی ہے کہ خود اپنے ہی نفع و ضرر پر وہ قدرت نہیں رکھتے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم ملا ہے۔

(۴۲) قُلْ لَّآ اَمْلِكُ لِنَفْسِيْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ۔ (یونس ۔ ع ۵)

آپؐ کہہ دیجئے کہ میں اپنی ذات تک کے لئے تو کسی نفع اور ضرر کا اختیار رکھتا نہیں۔ ہاں اللہ ہی کو جتنا منظور ہو۔

بلکہ یہاں تک ارشاد ہو گیا ہے۔

(۴۳) قُلْ اِنِّيْ لَنْ يُّجِيْرَنِيْ مِنَ اللّٰهِ اَحَدٌ وَّلَنْ اَجِدَ مِنْ دُوْنِهٖ مُلْتَحَدًا۔

(الجن ۔ ع ۲)

آپؐ کہہ دیجئے کہ مجھے اللہ سے کوئی پناہ نہیں دے سکتا، اور نہ میں اس کے سوا پناہ پا سکتا ہوں۔

عبدیت کامل، اور ہر طرح سے نفی اختیار و قدرت کی تصویر اس سے بڑھ کر اور کیا ہوگی۔

باب (۳)

غم اور انبیاء

غصہ، خوف، خوشی، وغیرہ کی طرح غم و حزن بھی بشر کی ایک طبعی کیفیت کا نام ہے۔ اور حضرات انبیاء اس جذبہ سے بھی ماورا اور مستثنیٰ نہیں ہوتے۔ غم، حزن، ملال، ناگواری جس طرح سب کے لئے ہیں۔ پیمبروں کے لئے بھی امر طبعی ہے۔

حضرت موسیٰؑ کے تذکرے میں، ایک بار نہیں، دو بار آیا ہے کہ جب آپ، اپنی قوم کی گوسالہ پرستی کی اطلاع وحی الٰہی سے پاکر، کوہ طور سے بہ عجلت واپس تشریف لائے ہیں۔ تو غصہ کے ساتھ ساتھ رنج و ملال سے بھرے ہوئے تھے۔

(۱) وَلَمَّا رَجَعَ مُوسٰى اِلٰى قَوْمِهٖ غَضْبَانَ اَسِفًا۔ (اعراف۔ع ۱۸)

اور موسیٰ جب اپنی قوم کی طرف واپس آئے، غصہ اور رنج سے بھرے ہوئے تھے

(۲) فَرَجَعَ مُوسٰى اِلٰى قَوْمِهٖ غَضْبَانَ اَسِفًا۔ (طٰہٰ۔ع ۴)

اور موسیٰ واپس آئے اپنی قوم کی طرف غصہ اور رنج سے بھرے ہوئے۔

حضرت یوسفؑ جیسے محبوب فرزند کے فراق میں حضرت یعقوبؑ کے ملال و شدت حزن کا بیان تفصیل اور تکرار سے آیا ہے۔ ایک جگہ اپنے لڑکوں کو مخاطب کرکے کہتے ہیں۔

(۳) قَالَ اِنِّیْ لَیَحْزُنُنِیْۤ اَنْ تَذْهَبُوْا بِهٖ وَاَخَافُ اَنْ یَّاْكُلَهُ الذِّئْبُ۔ (یوسف۔ع ۲)

آپ بولے کہ مجھے یہ بات غم میں ڈالتی ہے کہ تم (یوسف کو) اپنے ساتھ لے جاؤ اور مجھے اندیشہ ہے انہیں بھیڑیا کھا جاوے۔

اور پھر جب فراق یوسف میں ایک عرصہ گزر چکا، اس وقت آپ کے غم والم کا منظر۔

(۴) وَقَالَ يَٰٓأَسَفَىٰ عَلَىٰ يُوسُفَ وَٱبْيَضَّتْ عَيْنَاهُ مِنَ ٱلْحُزْنِ فَهُوَ كَظِيمٌ ۔ (یوسف ۔ ع ۱۰)

اور آپ بولے، ہائے یوسف! اور آپ کی آنکھیں غم سے (روتے روتے) سفید ہوگئیں۔ اور آپ گھٹ گھٹ کر رہ رہے تھے۔

اور فرزندان یعقوبؑ اپنے والد ماجد کی شدتِ غم کا تاثر ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں۔

(۵) قَالُوا تَاللَّهِ تَفْتَؤُا تَذْكُرُ يُوسُفَ حَتَّىٰ تَكُونَ حَرَضًا أَوْ تَكُونَ مِنَ ٱلْهَٰلِكِينَ ۔ (ایضاً)

وہ بولے، کہ آپ سدا یوسف کی یاد ہی میں لگے رہیں گے، یہاں تک کہ گھل کر دم بلب ہو جائیں گے، یا یہ کہ بالکل مر ہی جائیں گے۔

ظاہر ہے کہ یہ دونوں منظر کتنے شدید ہی غم والم کے مظہر ہو سکتے ہیں۔ حضرت یعقوبؑ اپنے لڑکوں کے جواب میں جو کچھ فرماتے ہیں، اس میں اس شدت تاثر سے ذرا انکار نہیں کرتے، صرف اس کا رُخ ایک مردِ خدا کی طرح بجائے مخلوق کے خالق کی طرف منہ پھیر دیتے ہیں۔

(۶) قَالَ إِنَّمَآ أَشْكُوا بَثِّى وَحُزْنِىٓ إِلَى ٱللَّهِ ۔ (یوسف ۔ ع ۱۰)

آپ بولے کہ میں اپنے درد و غم کا دُکھڑا (تم سے کہیں تھوڑے روتا ہوں) صرف اپنے اللہ کے سامنے روتا ہوں۔

اس کے بعد حضرت یوسفؑ جب اپنے کو اپنے بھائیوں پر ظاہر کر چکتے ہیں، تو اپنے والد ماجد کے افراط غم کا علاج یہی تجویز کرتے ہیں کہ اپنا پیراہن ان کی آنکھوں پر ڈال دیں، جس سے ان کی کھوئی ہوئی بینائی پھر واپس آجائے گی۔

(۷) ٱذْهَبُوا بِقَمِيصِى هَٰذَا فَأَلْقُوهُ عَلَىٰ وَجْهِ أَبِى يَأْتِ بَصِيرًا ۔ (ایضاً)

(یوسف بولے کہ) میرے اس پیراہن کو لے جاؤ، اور اسے میرے والد کے چہرے پر ڈال دو، ان کی آنکھیں روشن ہو جائیں گی۔

چنانچہ یہی علاج کارگر ہوا۔ اور اس تدبیر سے آپ کی بینائی واپس آئی۔

(۸) فَلَمَّآ اَنْ جَآءَ الْبَشِيْرُ اَلْقٰهُ عَلٰى وَجْهِهٖ فَارْتَدَّ بَصِيْرًا۔ (یوسف ع ۱۱)

پھر جب خوش خبری لانے والا آپہنچا، تو اس نے وہ پیرہن آپ کے چہرے پر ڈال دیا۔ اور اس سے آپ کی بینائی واپس آگئی۔

اللہ اکبر، کیا ٹھکانا ہے اس تعلقِ قلب کا جو اس پیمبر برحق کو اپنے صاحبزادے کے ساتھ تھا۔

حضرت نوحؑ نے اپنی قوم پر جب اپنی ساری تبلیغی کوششیں ضائع جاتے دیکھیں تو رنج وملال پیدا ہونا طبعی تھا۔ اُن سے ارشاد ہوا ہے۔

(۹) فَلَا تَبْتَئِسْ بِمَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ۔ (ہود۔ ع ۴)

جو کچھ یہ لوگ کرتے ہیں اس پر تاسف نہ کرو۔

حضرت لوطؑ کے تذکرے میں ہے کہ جب فرشتے نوعمر لڑکوں کی شکل میں آپ کے پاس پہنچے تو قدرتاً آپ کو بڑا تردد اور بڑا اندیشہ پیدا ہوا جس پر اُن فرشتوں کو آپ کو سمجھانا پڑا۔

(۱۰) وَلَمَّآ اَنْ جَآءَتْ رُسُلُنَا لُوْطًا سِيْٓءَ بِهِمْ وَضَاقَ بِهِمْ ذَرْعًا وَّقَالُوْا لَا تَخَفْ وَلَا تَحْزَنْ۔ (العنکبوت۔ ع ۴)

اور جب ہمارے وہ فرستادے لوط کے ہاں پہنچے، تو لوط اُن کے باعث مغموم ہوئے اور ان کے باعث تنگ دل ہوئے اور وہ فرشتے کہنے لگے کہ آپ اندیشہ نہ کریں اور نہ مغموم ہوں۔

خوبرو حسین لڑکوں کے آجانے سے، اس فضا اور ماحول میں ایک باعزت شریف انسان کو فکر وتشویش قدرتی تھی، اور وہ آپ کو بھی ہو کر رہی۔

حضرت یونسؑ کے ذکر میں آتا ہے کہ جب وہ ایک مرتبہ مچھلی کے پیٹ میں قید تھے، تو عام انسانوں کی طرح انہوں نے بھی گھٹن محسوس کی، اور اس گھٹن سے نجات پانے کی انہوں نے دعا کی۔ اور اس دعا کو قبول کر کے انہیں اس غم سے نجات بخشی گئی۔ اور ایسی نجات مومنین کے

لئے عام ہے۔

(۱۱) فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ وَنَجَّيْنٰهُ مِنَ الْغَمِّ ؕ وَكَذٰلِكَ نُنْجِي الْمُؤْمِنِيْنَ۔ (الانبیاء ۔ ع ۶)

سو ہم نے ان کی دعا قبول کرلی اور انہیں گھٹن سے نجات دی۔ اور ہم اسی طرح ایمان والوں کو نجات دیا کرتے ہیں۔

خود حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو جو اذیتیں مخالفین ومعاندین کی طرف سے پہنچتی تھیں جن سے آپ صدمہ وغم محسوس کرتے تھے، ان کا ذکر بھی قرآن مجید نے صراحت وتکرار کے ساتھ کیا ہے۔ مثلاً کہیں یوں کہ

(۱۲) وَلَقَدْ نَعْلَمُ اَنَّكَ يَضِيْقُ صَدْرُكَ بِمَا يَقُوْلُوْنَ۔ (الحجر ۔ ع ۶)

اور ہم کو خوب معلوم ہے کہ یہ لوگ جو کچھ کہتے رہتے ہیں۔ اس سے آپ تنگ دل ہوتے ہیں۔

یا ان الفاظ میں

(۱۳) قَدْ نَعْلَمُ اِنَّهٗ لَيَحْزُنُكَ الَّذِيْ يَقُوْلُوْنَ۔ (الانعام ۔ ع ۴)

ہم خوب جانتے ہیں کہ جو کچھ یہ لوگ کہتے ہیں۔ اس سے آپ کو رنج ہوتا ہے۔

اور کہیں یوں کہ مومنین کے درد دکھ کو رسولؐ اپنا درد دکھ محسوس کرتے ہیں۔

(۱۴) عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ۔ (البرآۃ ۔ ع ۱۶)

ان (رسولؐ) پر گراں گزرتی ہے جو چیز تمہیں تکلیف دیتی ہے۔

کہیں آپؐ کو افراط غم وملال سے روکا ہے۔

(۱۵) فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ عَلٰۤى اٰثَارِهِمْ اِنْ لَّمْ يُؤْمِنُوْا بِهٰذَا الْحَدِيْثِ اَسَفًا۔ (الکہف ۔ ع ۱)

تو یہ لوگ اگر اس مضمون پر ایمان نہ لائے تو آپ شاید ان کے پیچھے غم سے اپنی جان ہی دے دیں گے۔

یا اسی سے ملتے ہوئے مختصر تر لفظوں میں :

(۱۶) لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ اَلَّا يَكُوْنُوْا

آپ شاید اس پر اپنی جان ہی دے دیں کہ

مُؤْمِنِيْنَ۔ (الشعراء ع ۱) یہ لوگ ایمان نہیں لا رہے ہیں۔

حزن و ملال، آپؐ کو کافروں کے انکار و عناد سے پیدا ہونا بالکل ایک امر طبعی تھا، اس سے آپؐ کو متعدد موقعوں پر روکا گیا ہے۔

(۱۷) وَلَا يَحْزُنْكَ قَوْلُهُمْ۔ (یونس ع ۷) ان لوگوں کی گفتگو آپ کو رنج میں نہ ڈالے۔

یا یوں کہ

(۱۸) وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ۔ (الحجر۔ ع ۶) آپ ان لوگوں پر غم نہ کیجئے۔

یا ذرا اضافہ کے ساتھ یوں، کہ

(۱۹) وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَلَا تَكُ فِيْ ضَيْقٍ مِّمَّا يَمْكُرُوْنَ (النحل۔ ع ۶) اِن لوگوں پر آپ رنج نہ کیجئے اور جیسی چالیں یہ چلتے ہیں، اُن سے ملول نہ ہوجیے۔

اور یا پھر اس جامع عبارت میں، کہ

(۲۰) فَلَا تَذْهَبْ نَفْسُكَ عَلَيْهِمْ حَسَرَاتٍ۔ (فاطر۔ ع ۲) کہیں ان پر افسوس کرتے کرتے آپ کی جان ہی نہ جاتی رہے۔

اتنی تصریحات سے بالکل واضح ہو جاتا ہے کہ غم و حزن صدمہ و ملال جس طرح ہر بشر کی زندگی کا جزو ہیں۔ حضرات انبیاء بھی ان سے خالی نہیں رہے ہیں۔

باب (۴)

غضب اور انبیاء

بشری جذبات میں خوف، مسرّت وغیرہ ہی کی طرح ایک جذبہ غصّہ یا غضب کا بھی ہوتا ہے، جو عموماً فرطِ غیرت سے پیدا ہوتا ہے۔ حضرات انبیاء گو بڑے حلیم، بڑے رحیم، بڑے نرم دل ہوتے ہیں۔ لیکن اس کے یہ معنی نہیں کہ سرے سے اُن میں قوتِ غضبی ہوتی نہیں۔ یا وہ اشتعال کسی موقع پر قبول ہی نہیں کرتے۔ غصّہ انہیں بھی دوسرے انسانوں کی طرح آتا ہے، البتّہ اپنے محل ہی پر آتا ہے۔ بیجا اور خواہ مخواہ نہیں آجایا کرتا۔ اور یہ حال تو مومنین صادقین کا بھی ہے کہ اشتعال کے وقت عموماً وہ اس کے متضاد پر عمل نہیں کرتے، بلکہ شان غفوریت کا پَرتو دکھاتے رہتے ہیں۔

(۱) وَإِذَا مَا غَضِبُوا هُمْ يَغْفِرُونَ۔ اور جب انہیں غصّہ آتا ہے تو (بجائے اس کے متضاد پر عمل کرنے کے) معاف کردیتے ہیں۔ (الشوریٰ۔ ع ۴)

حضرت موسیٰ علیہ السّلام جیسے جلیل القدر نبی کے غصّہ کا ذکر قرآن مجید نے صراحت کے ساتھ اور بار بار کیا ہے۔

حضرت موسیٰؑ جب کوہ طور پر توریت لینے گئے ہیں، اور اسرائیلیوں نے آپ کی غیبت میں گوسالہ پرستی شروع کردی ہے، اور آپ کو اس کی اطلاع وہیں پہاڑ پر وحیِ الٰہی سے ملی ہے، تو آپ غیرتِ دینی سے جوش میں بھرے ہوئے بہ عجلت پہاڑ سے اُترے ہیں، اور حضرت ہارونؑ پر، جن کو آپ اپنا جانشین بنا گئے تھے، ناراضگی کا اظہار خصوصیت سے کیا ہے۔

(۲) وَلَمَّا رَجَعَ مُوسٰى اِلٰى قَوْمِهٖ غَضْبَانَ اَسِفًا قَالَ بِئْسَمَا خَلَفْتُمُوْنِيْ مِنْۢ بَعْدِيْ ۚ اَعَجِلْتُمْ اَمْرَ رَبِّكُمْ ۚ وَ اَلْقَى الْاَلْوَاحَ وَ اَخَذَ بِرَاْسِ اَخِيْهِ يَجُرُّهٗٓ اِلَيْهِ۔ (الاعراف۔ع ۱۸)

اور جب موسیٰؑ اپنی قوم کی جانب واپس ہوئے غصہ اور رنج میں بھرے ہوئے تو فرمایا کہ تم نے میرے بعد بڑی نامعقول حرکت کی۔ کیا اپنے پروردگار کے حکم سے پہلے ہی تم نے جلدبازی کرلی۔ اور (توریت) کی تختیاں ڈال دیں اور اپنے بھائی کا سر پکڑ کر انہیں اپنی طرف گھسیٹنے لگے۔

توریت کی تختیوں کو زمین پر پھینک دینا، اور اپنے بھائی پر، جو پیمبر بھی تھے، جسمانی حملہ کر بیٹھنا، ظاہر ہے کہ انتہائی غیظ و غضب ہی میں ہوسکتا ہے۔ اور یہاں تو غصہ ظاہر ہے کہ کسی شخصی معاملہ میں نہیں، دین توحید کی توہین پر تھا۔

پھر چند ہی سطریں بعد ہے۔

(۳) وَلَمَّا سَكَتَ عَنْ مُّوسَى الْغَضَبُ اَخَذَ الْاَلْوَاحَ۔ (الاعراف۔ع ۱۹)

جب موسیٰؑ کا غصہ فرو ہوگیا۔ انہوں نے تختیاں (زمین سے) اٹھالیں۔

اسی غیظ فی اللہ کا ذکر ایک دوسری جگہ اختصار و اجمال کے ساتھ ہے۔

(۴) فَرَجَعَ مُوسٰٓى اِلٰى قَوْمِهٖ غَضْبَانَ اَسِفًا۔ (طٰہٰ۔ع ۴)

پھر موسیٰ اپنی قوم کی طرف واپس آئے غصہ اور رنج سے بھرے ہوئے۔

اور اس کے ذرا بعد ہے، کہ جب آپ نے حضرت ہارونؑ سے مواخذہ کیا ہے، کہ تم نے ان لوگوں کو اس صریح گمراہی سے روکا کیوں نہیں۔ تو جواب میں حضرت ہارونؑ کے الفاظ قابل غور ہیں۔

(۵) قَالَ يَبْنَؤُمَّ لَا تَاْخُذْ بِلِحْيَتِيْ وَلَا بِرَاْسِيْ۔ (طٰہٰ۔ع ۵)

ہارون بولے، کہ اے میرے ماں جائے بھائی میری داڑھی اور میرا سر نہ پکڑیئے (یعنی انہیں چھوڑ دیجئے)۔

اس سے صاف ظاہر ہو رہا ہے کہ حضرت موسیٰؑ فرطِ غضب اور غیرت دینی میں، جسمانی حملے کے کن حدود تک پہنچ گئے تھے۔

قرآن مجید یہ سارے تذکرے بغیر کسی نکیر یا شائبہ نکیر کے نقل کرتا ہے۔ اس کے معنی یہ ہوئے کہ ایسے موقعوں پر یہ شدت غضب، نہ صرف طبعی تھی، بلکہ جواز عقلی و شرعی بھی رکھتی تھی۔

ایک جگہ، اس سلسلے سے الگ، حضرت موسیٰؑ کی یہ دعا بھی فرعون اور فرعونیوں پر نقل ہوئی ہے۔

(٦) وَ اشْدُدْ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوْا حَتّٰى يَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ۔	ان کے مالوں کو تہس نہس کر دے اور ان کے دلوں کو سخت کر دے، کہ یہ ایمان نہ لانے پائیں
(یونس۔ ع ۹)	یہاں تک کہ عذاب دردناک کو دیکھ لیں۔

ظاہر ہے کہ ایسی بد دعا، شدید غضب فی اللہ ہی کا نتیجہ ہو سکتی ہے۔

حضرت یونسؑ بھی ایک پیمبر برحق ہی ہوئے ہیں۔ ان کے تذکرے میں ہے کہ جب اُن کے خیال کے مطابق عذاب حسب وعدہ اُن کی قوم پر نہ آیا، تو وہ غصّہ سے مغلوب ہو کر، شہر چھوڑ کر چل کھڑے ہوئے۔

(٧) وَذَا النُّوْنِ اِذْ ذَّهَبَ مُغَاضِبًا فَظَنَّ اَنْ لَّنْ نَّقْدِرَ عَلَيْهِ۔	اور مچھلی والے (پیمبر) کا تذکرہ کیجئے جب وہ غصّہ میں بھر کر چل کھڑے ہوئے اور یہ سمجھے کہ
(الانبیاء۔ ع ٦)	ہم ان پر گرفت نہ کر سکیں گے۔

حق تعالیٰ سے یہ بدظنی (بالکل وقتی طور پر سہی) صرف غضب شدید سے مغلوبیت ہی کی حالت میں ممکن ہے۔ غرض یہ کہ غضب بلکہ شدتِ غضب بھی۔ جس طرح ساری نوع بشر کے لئے طبعی ہے۔ انبیاء و مرسلین کے لئے بھی ہے۔

باب (۵)

خوف اور انبیاء

غم، غضب، وغیرہ کی طرح خوف بھی بشری زندگی کا ایک لازمی جزو ہے۔ ڈر انسان کے لئے ایک طبعی چیز ہے۔ اور انسان ہر اس چیز سے ڈرتا رہتا ہے، جو اسے نقصان پہنچا دینے کی قوت رکھتی ہے نامعلوم، نامانوس، چیزوں سے وحشت اور گھبراہٹ بھی فطرت بشری میں داخل ہے۔

قرآن مجید نے دوسرے جذبات کے ساتھ اس جذبہ کا بھی اثبات حضرات انبیاء کے حق میں زور و قوت کے ساتھ کیا ہے۔ اور خوف و حُزن کا اجتماع اکثر ہوتا ہے، اس لئے قرآن مجید نے ان دونوں کا بھی ذکر کہیں کہیں ساتھ ساتھ کیا ہے۔

حضرت ابراہیمؑ خلیل کے تذکرے میں ہے، کہ جب آپؑ کے پاس کچھ اجنبی مہمان وارد ہوئے، اور آپ نے اُن کے سامنے کھانا پیش کیا، جسے انہوں نے ہاتھ نہیں لگایا، تو آپ کو (اس زمانہ کے دستور کے مطابق، کہ ڈاکو اور رہزن، جس کو لوٹنا چاہتے تھے، اس کے ہاں کھانا نہیں کھاتے تھے) اُن سے خوف پیدا ہوا۔ اس پر اُن نوواردوں نے آپ کو تسکین دی۔

(۱) فَلَمَّا رَاٰۤ اَیۡدِیَہُمۡ لَا تَصِلُ اِلَیۡہِ نَکِرَہُمۡ وَ اَوۡجَسَ مِنۡہُمۡ خِیۡفَۃً ؕ قَالُوۡا لَا تَخَفۡ اِنَّاۤ اُرۡسِلۡنَاۤ اِلٰی قَوۡمِ لُوۡطٍ۔ (ہود۔ ع ۷)

جب ابراہیمؑ نے دیکھا کہ ان (نوواردوں) کے ہاتھ اس (کھانے) تک نہیں جارہے ہیں تو آپ ان سے متوحش ہوئے۔ اور اُن سے آپ کے دل میں خوف پیدا ہوا۔ وہ (نووارد)

بولے، آپ ڈریئے نہیں، ہم قوم لوط کی طرف
فرستادہ ہیں۔

اور یہی مضمون ایک دوسری جگہ ہے۔ اور یہاں بھی خوف کے دُہرے دُہرے ذکر کے ساتھ :

(٢) فَاَوْجَسَ مِنْهُمْ خِيفَةً ؕ قَالُوْا لَا تَخَفْ ؕ (الذاریات۔ ع ٢)
آپ کے دل میں ان سے خوف پیدا ہوا، وہ (نووارد) بولے کہ آپ ڈریئے نہیں،

اور پھر یہ مضمون ایک تیسری جگہ بھی وارد ہوا ہے، خوف کی اسی صراحت اور اسی تکرار کے ساتھ۔

(٣) قَالَ اِنَّا مِنْكُمْ وَجِلُوْنَ ○ قَالُوْا لَا تَوْجَلْ اِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلٰمٍ عَلِيْمٍ ○ (الحجر۔ ع ٤)
ابراہیمؑ بولے، ہم کو تم لوگوں سے ڈر معلوم ہوتا ہے وہ بولے ڈریئے نہیں ہم آپ کو ایک صاحب علم لڑکے کی خوشخبری سناتے ہیں۔

ایک جگہ یہ مزید تصریح بہ طور ضمیمہ کے آئی ہے۔

(٤) فَلَمَّا ذَهَبَ عَنْ اِبْرٰهِيْمَ الرَّوْعُ وَجَآءَتْهُ الْبُشْرٰى ۔ (ہود۔ ع ٧)
پھر جب ابراہیم کے دل سے دہشت دور ہو چکی، اور انہیں خوشخبری مل چکی الخ

یہی اللہ کے فرستادے، جب نوجوان خوبرو لڑکوں کی شکل میں حضرت لوطؑ کے پاس پہنچے ہیں، تو قدرتاً آپ کو بھی تردّد و تشویش ہی نے گھیرا۔

(٥) وَلَمَّآ اَنْ جَآءَتْ رُسُلُنَا لُوْطًا سِيْٓءَ بِهِمْ وَضَاقَ بِهِمْ ذَرْعًا وَّ قَالُوْا لَا تَخَفْ وَلَا تَحْزَنْ ۔ (العنکبوت۔ ع ٤)
اور جب ہمارے فرستادے لوطؑ کے پاس پہنچے، تو آپ ان کے سبب مغموم ہوئے اور ان کے سبب تنگ دل ہوئے تو اُن (فرستادوں) نے کہا کہ نہ ڈریئے اور نہ ملول ہو جیئے۔

حضرت لوطؑ نے اس موقع پر اپنے ہم قوموں سے جو گفتگو کی ہے خود اس سے آپؑ کی تشویش عیاں ہو رہی ہے۔

⑥ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَلَا تُخْزُوْنِ فِيْ ضَيْفِيْ اَلَيْسَ مِنْكُمْ رَجُلٌ رَّشِيْدٌ۔ (ہود - ع ٧)	اللہ سے ڈرو، اور مجھے میرے مہمانوں کے سامنے ذلیل نہ کرو۔ کیا تم میں کوئی بھلا آدمی نہیں؟

حضرت یعقوبؑ کے صاحبزادے جب آپ کے پاس آکر یوسفؑ کو اپنے ساتھ جنگل لے جانے کی اجازت چاہتے ہیں، تو آپؑ پر حالات کے عین مطابق اور طبعی طور پر تردّد و تشویش کا غلبہ ہوتا ہے۔

⑦ قَالَ اِنِّيْ لَيَحْزُنُنِيْٓ اَنْ تَذْهَبُوْا بِهٖ وَاَخَافُ اَنْ يَّاْكُلَهُ الذِّئْبُ۔ (یوسف - ع ٢)	یعقوب بولے مجھے اس سے فکر ہو رہی ہے کہ تم یوسفؑ کو اپنے ساتھ لے جاؤ، اور وہاں انہیں بھیڑیا کھا جائے۔

حضرت موسیٰؑ کے ہاتھ سے جب ایک مصری (قبطی) نادانستہ قتل ہو گیا۔ تو آپ پر انجام کے خیال سے دہشت طاری ہوئی۔

⑧ فَاَصْبَحَ فِي الْمَدِيْنَةِ خَآئِفًا يَّتَرَقَّبُ۔ (القصص - ع ٢)	شہر میں موسیٰؑ نے صبح کی۔ خوف اور دہشت کی حالت میں۔

پھر جب شہر چھوڑ کر آپ وہاں سے روانہ ہوئے ہیں تو بھی اسی حالت میں، اور اللہ سے دعا اور پناہ مانگتے ہوئے۔

⑨ فَخَرَجَ مِنْهَا خَآئِفًا يَّتَرَقَّبُ قَالَ رَبِّ نَجِّنِيْ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ۔ (ایضًا)	آپ شہر سے نکلے خوف اور دہشت کی حالت میں، اور عرض کی کہ اے میرے پروردگار، مجھے ظالموں سے نجات دے۔

ان کی تسکین و تسلّی کے لئے غیب سے جو ندا آئی، اس میں بھی صراحت خوف کی ہے۔

(۱۰) قَالَ لَا تَخَفْ نَجَوْتَ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ۔ (القصص۔ ع ۳)

ارشاد ہوا کہ ڈرو نہیں، تمہیں ظالم لوگوں سے نجات مل گئی۔

یہی حضرت موسٰیؑ جب منصب نبوت پر سرفراز ہو چکے ہیں اور دعوت کے ساتھ مصر و والیٔ مصر کی طرف بھیجے جا رہے ہیں، تو اس وقت بھی اندیشۂ انتقام سے آپ خائف ہیں۔

(۱۱) قَالَ رَبِّ اِنِّیْ قَتَلْتُ مِنْهُمْ نَفْسًا فَاَخَافُ اَنْ يَّقْتُلُوْنِ ۝ (القصص۔ ع ۴)

(موسٰیؑ نے) عرض کی اے میرے پروردگار میں ان لوگوں میں سے ایک شخص کو ہلاک کر چکا ہوں اور اندیشہ رکھتا ہوں کہ لوگ مجھے نہ مار ڈالیں۔

پھر خود تبلیغ رسالت کے صلے میں بھی آپؑ کو اور آپؑ کے بھائی حضرت ہارونؑ کو، کہ وہ بھی پیمبر ہیں۔ ادھر سے ظلم اور زیادتی کا خوف و اندیشہ ہی ہے۔ اور آپؑ کو تسکین اسی سلسلے میں دی جاتی ہے۔

(۱۲) قَالَا رَبَّنَاۤ اِنَّنَا نَخَافُ اَنْ يَّفْرُطَ عَلَيْنَاۤ اَوْ اَنْ يَّطْغٰى قَالَ لَا تَخَافَاۤ اِنَّنِیْ مَعَكُمَاۤ اَسْمَعُ وَاَرٰى ۔ (طٰہٰ۔ ع ۲)

دونوں نے عرض کی اے ہمارے پروردگار، ہم کو تو یہ ڈر ہے کہ وہ ہمارے اوپر زیادتی کر بیٹھے یا (اور زیادہ) سرکشی اختیار کر لے۔ ارشاد ہوا کہ تم دونوں ڈرو نہیں۔ میں تمہارے ساتھ رہوں گا، سنتا ہوا اور دیکھتا ہوا۔

اور حضرت موسٰیؑ نے تو اور زیادہ خوف و اندیشہ کا اظہار، فرعون اور فرعونیوں کی طرف سے کیا۔

(۱۳) قَالَ رَبِّ اِنِّیْۤ اَخَافُ اَنْ يُّكَذِّبُوْنِ وَيَضِيْقُ صَدْرِیْ وَلَا يَنْطَلِقُ لِسَانِیْ فَاَرْسِلْ اِلٰى هٰرُوْنَ وَلَهُمْ

حضرت موسٰیؑ نے عرض کی کہ اے میرے پروردگار میں اندیشہ کرتا ہوں کہ وہ لوگ مجھے جھٹلائیں نہیں، اور میرا دل تنگ ہو رہا ہے۔ اور میری

عَلَیَّ ذَنْبٌ فَاَخَافُ اَنْ یَّقْتُلُوْنِ۔ (الشعراء۔ ع ۲)

زبان نہیں چل رہی ہے۔ تو تو میرے ہمراہ ہارونؑ کو کر دے۔ اور ان لوگوں کا ایک جرم بھی تو میں کر چکا ہوں۔ تو مجھے اندیشہ ہے کہ وہ لوگ مجھے مار ہی نہ ڈالیں۔

پھر جب انہیں حضرت موسیٰؑ کا مقابلہ دربار فرعون کے ساحروں سے آپڑا ہے۔ اور انہوں نے شعبدہ بازی کے زور سے رسیّوں کے سانپ بنا بنا کر دوڑائے ہیں۔ تو پھر یہ پیمبر برحق وقتی طور پر ڈر گئے ہیں۔

(۱۴) فَاَوْجَسَ فِیْ نَفْسِہٖ خِیْفَۃً مُّوْسٰی قُلْنَا لَا تَخَفْ اِنَّكَ اَنْتَ الْاَعْلٰی۔ (طٰہٰ۔ ع ۳)

اب موسیٰؑ کو اپنے دل میں کچھ خوف معلوم ہوا، ہم نے کہا کہ ڈرو نہیں، غالب تم ہی رہو گے۔

لفظ خوف کا مکرر آنا تاکید ہی کے لئے ہے۔ خواہ مخواہ اور بلا ضرورت نہیں۔

اور یہ تو خیر دشمن سے مقابلہ کا میدان تھا، جب حضرت موسیٰؑ کو عصا کے سانپ بن جانے کا معجزہ عطا ہوا تو باوجودیکہ آپ کے انتہائی اکرام و عزّت افزائی کا موقع تھا۔ آپ پر خود اپنے ہی معجزہ کو دیکھ کر انتہائی خوف طاری ہوا۔

(۱۵) فَلَمَّا رَاٰھَا تَھْتَزُّ كَاَنَّھَا جَآنٌّ وَّلّٰی مُدْبِرًا وَّلَمْ یُعَقِّبْ یٰمُوْسٰی لَا تَخَفْ اِنِّیْ لَا یَخَافُ لَدَیَّ الْمُرْسَلُوْنَ۔ (النمل۔ ع ۱)

اور جب آپ نے اس (عصا) کو لہراتے ہوئے دیکھا کہ جیسے وہ سانپ ہے۔ تو آپ اُلٹے پیروں بھاگے اور پیچھے پھر کر بھی نہ دیکھا، اے موسیٰؑ ڈرو نہیں۔ ہمارے سامنے پیمبر ڈرا نہیں کرتے۔

اور یہی مضمون ایسی ہی صراحت و تاکید کے ساتھ ایک دوسری جگہ۔

(۱۶) فَلَمَّا رَاٰھَا تَھْتَزُّ كَاَنَّھَا جَآنٌّ

پھر جب آپ نے اس (عصا) کو دیکھا کہ وہ لہرا

وَّلّٰی مُدۡبِرًا وَّلَمۡ یُعَقِّبۡ یٰمُوۡسٰۤی اَقۡبِلۡ وَلَا تَخَفۡ اِنَّکَ مِنَ الۡاٰمِنِیۡنَ۔ (القصص۔ ع ۴)	رہا ہے، جیسے کہ سانپ، تو آپ اُلٹے پیروں بھاگے اور پیچھے مڑ کر بھی نہ دیکھا۔ اے موسیٰ سامنا کرو اور ڈرو مت۔ تم ہر طرح محفوظ ہو۔

غرض انتہائی خوف بلکہ دہشت تک کی کیفیت اور وہ بھی مادّی خوفناک چیزوں سے پیمبروں پر برابر طاری ہوتی رہی ہے۔ اور اس حیثیت سے پیمبر عام فطرت بشری سے ماورا نہیں ہوتے۔

باب ⑥

نسیان اور انبیاؑء

انبیاء سے جس چیز کی نفی کی گئی ہے، اور جس سے معصوم رکھا گیا ہے، وہ معصیت ہے۔ یعنی اللہ کے کسی حکم یا قانون کی ارادی نافرمانی۔ یا وحی الٰہی میں کسی قسم کا تصرف۔ باقی جو امور طبعی لوازم بشریت ہیں، خواہ جسمانی ہوں یا دماغی وعقلی، اُن سے نفی کہیں بھی نہیں آئی ہے۔ بلکہ اگر ان سے پیمبروں کو بکسر محفوظ بنا کر بھیجا جاتا تو منکروں اور کافروں پر حجت کیونکر قائم ہوتی اور بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ کا تحقق کس طرح ہوتا۔

وقتی دماغ فروگزاشت یا سہو ونسیان ایک خاصۂ بنی آدم ہے، قرآن مجید نے اسے صاف کر دیا ہے، کہ یہ خاصۂ نوع انسان کے خود ابوالآباء حضرت آدمؑ میں پایا گیا ہے۔

① وَلَقَدْ عَهِدْنَآ إِلَىٰٓ ءَادَمَ مِن قَبْلُ فَنَسِيَ وَلَمْ نَجِدْ لَهُۥ عَزْمًا۔ (طٰہٰ۔ ع ۶) — اور اس سے قبل ہم نے آدم کو ایک حکم دیا تھا، سو وہ (اُسے) بھول گئے، اور ہم نے ان میں پختگی نہ پائی۔

یعنی ہمہ وقتی وہر جہتی استحضار آدمؑ سے نہ ہو سکا۔

حضرت موسیٰؑ جب حسب ہدایت الٰہی ایک بندۂ عارف کی تلاش میں ایک رفیق کو ساتھ لے کر چلے ہیں، تو راستہ میں ایک مقام پر اپنے ساتھ کی مچھلی ان کے ذہن سے بالکل نکل گئی۔

② فَلَمَّا بَلَغَا مَجْمَعَ بَيْنِهِمَا نَسِيَا حُوتَهُمَا۔ (الکہف۔ ع ۹) — جب وہ دونوں دریاؤں کے سنگم پر پہنچے تو اپنے ساتھ کی مچھلی دونوں (بالکل) بھول گئے۔

نسیان یا بھول جانے کا انتساب قرآن مجید نے جس طرح ایک غیر نبی و غیر معصوم رفیق سفر پر کیا ہے، ٹھیک اسی طرح موسیٰؑ نبی معصوم کی طرف بھی کیا ہے۔

پھر حضرت موسیٰؑ جب اس بندۂ عارف سے ملتے ہیں، اور وہ آپؑ سے بعض باتوں پر مواخذہ کرتے ہیں، تو آپؑ عذر میں اپنی اسی بھول چوک کو پیش کرتے ہیں۔

(۳) قَالَ لَا تُؤَاخِذْنِي بِمَا نَسِيتُ وَلَا تُرْهِقْنِي مِنْ أَمْرِي عُسْرًا۔ (الکہف۔ ع ۱۰)

موسیٰؑ نے کہا آپ میری بھول چوک پر گرفت نہ کیجئے اور میرے (اس) معاملہ میں مجھ پر تنگی نہ ڈالئے۔

گویا حضرت موسیٰؑ اپنے نسیان کو نہ صرف بطور واقعہ پیش کرتے ہیں بلکہ محل معذرت پر اسے کافی بھی سمجھتے ہیں۔

سب سے بڑھ کر یہ کہ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ہدایت ہوتی ہے کہ

(۴) وَاذْكُرْ رَبَّكَ إِذَا نَسِيتَ۔ (الکہف۔ ع ۴)

اپنے پروردگار کو یاد کر لیا کیجئے۔ جب بھول جایا کیجئے۔

تو معلوم ہوا کہ نسیان ایک لازمۂ بشریت ہے، اور ایسی چیز ہے جو مرتبہ افضل البشر اور سرور انبیاءؑ کے منافی اور اس کی قادح نہیں۔

باب ۷

موت اور انبیاءؑ

بشریت، عبدیت، مخلوقیت کا سب سے بڑا مظہر موت ہے باقی اور غیر فانی صرف وہ ہے، جو سب کا خالق و پروردگار ہے۔ باقی مخلوق میں جو افضل الخلائق اور خیر البریہ ہیں۔ انہیں بھی فنا اور موت سے چارہ نہیں۔ قرآن مجید نے یہ حقیقت، متعدد مقامات پر، اور مختلف طریقے اختیار کرکر کے، خوب وضاحت سے عیاں کر دی ہے کہ حضرات انبیاءؑ اپنی اس حیات ناسوتی میں، غیر فانی نہیں فانی ہی ہوتے ہیں۔ اور ان کی وفات طبعی طور پر بھی ہوتی رہتی ہے اور قتل و شہادت سے بھی۔

انبیاءؑ بنی اسرائیل کے سلسلہ میں قوم اسرائیل کے خلاف بار بار یہ جرم عاید کیا ہے۔ کہ یہ اپنے پیمبروں کو ناحق قتل یا شہید کرتے آئے ہیں۔

(۱) وَيَقْتُلُوْنَ النَّبِيّٖنَ بِغَيْرِ الْحَقِّ۔ (البقرۃ۔ ع ۷)
یہ (اپنے) پیمبروں کو بے قصور قتل کرتے رہے ہیں۔

(۲) وَيَقْتُلُوْنَ النَّبِيّٖنَ بِغَيْرِ حَقٍّ۔ (آل عمران۔ ع ۳)
یہ (اپنے) پیمبروں کو بے قصور قتل کرتے رہے ہیں۔

اور ذرا سے تغیر الفاظ کے ساتھ اسرائیلیوں کے جرائم کے سیاق میں۔

(۳) وَقَتْلَهُمُ الْاَنْۢبِيَآءَ بِغَيْرِ حَقٍّ۔ (آل عمران۔ ع ۹)
اور ان کا پیمبروں کو بے قصور قتل کر ڈالنے (کا جرم)۔

(۴) وَقَتْلِهِمُ الْاَنْۢبِيَآءَ بِغَيْرِ
اور ان کا پیمبروں کو بے قصور قتل

حَقٍّ ۔ (النّساء ۔ ع ۲۲) ڈالنے (کا جرم)

یہی مضمون ذرا مختلف عبارت میں ۔ اسرائیلیوں کو مخاطب کر کے ۔

(۵) فَرِيْقًا تَقْتُلُوْنَ ۔ (البقرۃ ۔ ع ۱۱) (کچھ پیمبروں کو تو تم نے جھٹلایا) اور کچھ کو تو قتل ہی کر ڈالا ۔

اور ایک جگہ اور بجائے خطاب کے صیغۂ غائب میں ۔

(۶) فَرِيْقًا كَذَّبُوْا وَفَرِيْقًا يَّقْتُلُوْنَ ۔ (المائدۃ ۔ ع ۱۰) کچھ (پیمبروں) کو تو انہوں نے جھٹلا دیا اور کچھ کو تو قتل ہی کر ڈالا ۔

بعض پیمبران جلیل کا نام لے کر اُن کی موت یا ہلاکت کا ذکر فرمایا گیا ہے ۔ مثلاً ۔

(۷) اِذْ حَضَرَ يَعْقُوْبَ الْمَوْتُ ۔ (البقرہ ۔ ع ۱۶) اور وہ وقت، جب یعقوبؑ کو موت آگئی ۔

یا حضرت مسیحؑ کے سلسلے میں یہود کی زبان سے ۔

(۸) اِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيْحَ عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ ۔ (النسا ۔ ع ۲۲) ہم نے ہلاک کر دیا ہے مسیح عیسیٰؑ ابن مریم کو ۔

یا حضرت سلیمانؑ کے تذکرہ میں ۔

(۹) فَلَمَّا قَضَيْنَا عَلَيْهِ الْمَوْتَ مَا دَلَّهُمْ عَلٰى مَوْتِهٖٓ اِلَّا دَآبَّةُ الْاَرْضِ ۔ (سبا ۔ ع ۲) جب ہم نے ان پر موت طاری کی، تو ان (جنات) کو کسی نے (سلیمان) کی موت پر خبر نہ دی بجز ایک زمینی کیڑے کے ۔

یا اسی طرح حضرت یوسفؑ کے سلسلے میں، ایک مومن مصری مشرکوں سے کہتا ہے ۔

(۱۰) وَلَقَدْ جَآءَكُمْ يُوْسُفُ مِنْ قَبْلُ بِالْبَيِّنٰتِ فَمَا زِلْتُمْ فِيْ شَكٍّ مِّمَّا جَآءَكُمْ بِهٖ حَتّٰٓى اِذَا هَلَكَ (المومن ع۴) اور اس کے قبل تمہارے پاس یوسف دلائل لے کر آچکے، لیکن تم ان امور میں برابر شک ہی میں رہے ۔ جو وہ تمہارے پاس لے کر آئے تھے ،

یہاں تک کہ جب ان کی وفات ہوگئی۔ تو....

خود حضور انورؐ سے متعلق واقعۂ وفات، صراحت کے ساتھ کئی کئی طریقوں سے بیان ہوا ہے۔ کہیں بہ طور فرض و احتمال مثلاً

(۱۱) فَاِمَّا نَذْهَبَنَّ بِكَ (الزخرف، ع ۴) — پھر خواہ ہم آپ کو اٹھالیں۔

یا ایک دوسرے لفظ کے ساتھ۔

(۱۲) اَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ۔ (المومن، ع ۸) — یا ہم آپ کو وفات دے دیں۔

(۱۳) اَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ۔ (الرعد، ع ۶) — (ایضـًا)

یا یہی مضمون خود آپؐ کی زبان سے کہلایا گیا ہے۔

(۱۴) قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ اَهْلَكَنِيَ اللّٰهُ وَمَنْ مَّعِيَ۔ (الملک، ع ۲) — آپ (ان لوگوں سے) کہہ دیجئے کہ اگر اللہ مجھے اور میرے ساتھیوں کو ہلاک کر دے۔

بلکہ کہیں تو اس ناگزیر واقعہ کو منکرین کے سامنے بہ طور حجت کے پیش کیا ہے اور اُسے ایک عالمگیر بشری قانون، بلکہ حیاتیاتی کلیّہ بتایا ہے،

(۱۵) وَمَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ مِّنْ قَبْلِكَ الْخُلْدَ اَفَائِنْ مِّتَّ فَهُمُ الْخٰلِدُوْنَ كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ۔ (الانبیاء۔ ع ۳) — اور ہم نے آپ سے قبل کسی بشر کو بھی ہمیشہ رہنے والا نہیں بنایا تو کیا اگر آپ کی وفات ہوجائے تو یہ لوگ ہمیشہ ہمیش کو رہیں گے؟ موت کا مزا ہر جاندار کو چکھنا ہے۔

طبعی موت اور قتل دونوں صورتیں آپؐ کے لئے فرض کر کے نومسلموں سے خطاب کیا ہے۔

(۱۶) وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ اَفَائِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ (آل عمران۔ ع ۱۵) — اور محمدؐ کچھ اور نہیں بس رسول ہی ہیں۔ ان کے بیشتر بھی (بہت سے) رسول گزر چکے ہیں۔ تو اگر یہ وفات پاگئے یا قتل ہوگئے تو کیا تم الٹے پیروں واپس

ہو جاؤ گے؟

اس میں ضمناً پچھلے پیمبروں کی بھی وفات کا ذکر آ گیا۔

ایک جگہ صاف حکم کی صورت میں آپؐ سے فرمایا ہے کہ جب تک وقت موعود نہ آ جائے عبادت میں لگے رہیئے۔

(۱۷) وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى يَاْتِيَكَ الْيَقِيْنُ۔ (الحجر۔ ع ۶)
اور اپنے پروردگار کی عبادت کرتے رہیئے، یہاں تک کہ آپ کو موت آ جائے۔

اور ایک مقام پر تو صاف صاف آپؐ کو، اور سارے انسانوں کو موت کے نقطۂ نظر سے ایک صف میں لا کھڑا کیا ہے۔

(۱۸) اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّاِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ۔ (الزمر۔ ع ۳)
آپ کو بھی موت آنے والی ہے، اور ان (سب) کو بھی موت آنے والی ہے۔

غرض یہ کہ موت، جو بشریت بلکہ مخلوقیت کا سب سے بڑا مظہر ہے اس کے لحاظ سے قرآن مجید نے سارے انبیاء (بہ شمول سرور انبیاءؐ) کو وضاحت کے ساتھ نوع انسانی کے ساتھ ایک ہی سطح پر رکھا ہے۔

باب (۸)

علم اور انبیاء

قدرت کاملہ کی طرح علم کامل کی صفت بھی خاصۂ خداوندی ہے۔ دوسرے مذہبوں کا عقیدہ اوتاروں یا الوہیت کے مظہروں سے متعلق جو کچھ بھی ہو، اسلام میں پیمبر کا بھی علم ہر دوسرے بشر کی طرح محدود ہی ہوتا ہے۔ گو اس کا دائرہ عام بشری علم سے کہیں زیادہ وسیع ہو یہ پیمبری دائرہ علم وسیع جتنا بھی ہو، بہرحال محدود ہی ہوگا۔ اور ایک عالم غیب یا مغیبات کا اس کے لئے بھی ہوگا۔ اسلام اس عقیدہ کے شائبہ کا بھی روادار نہیں، کہ رسول بھی کوئی حاضر و ناظر ہوتے ہیں یا کسی معنی میں بھی عالم کُل ہستیاں ہیں۔

میدان حشر کے ایک منظر کے سلسلے میں ہے۔

(۱) يَوْمَ يَجْمَعُ اللّٰهُ الرُّسُلَ فَيَقُوْلُ مَاذَآ اُجِبْتُمْ قَالُوْا لَا عِلْمَ لَنَآ اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ۔ (المائدہ ۔ ع ۱۵)

وہ دن بھی یاد کرو جب (سارے) رسولوں کو اللہ اکٹھا کرے گا، اور ان سے سوال کرے گا کہ تمہیں کیا کیا جواب (اپنی امتوں کی طرف سے) ملا۔ وہ عرض کریں گے۔ ہمیں کوئی علم نہیں، چھپی ہوئی باتوں کا بس تو ہی خوب جاننے والا ہے۔

یہ گویا جمیع انبیاء اور رسل کی زبان سے اقرار ہے کہ علم غیب ہمیں کہاں یہ تو بس آپ ہی کا خاصہ ہے۔ اسی ایک حقیقت کو مختلف موقعوں پر اور مختلف پیرایوں میں ادا کیا گیا ہے۔ مثلاً کہیں یوں، کہ

(۲) مَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ

پیمبر کا کام تو صرف (پیام کا) پہنچا دینا ہے (باقی)

وَاللّٰہُ یَعۡلَمُ مَا تُبۡدُوۡنَ وَمَا تَکۡتُمُوۡنَ۔ (المائدہ ۔ ع ۱۴)

تم جو ظاہر کرتے اور جو چھپاتے ہو اس کا علم تو اللہ ہی کو ہے۔

اور کہیں ان الفاظ میں۔

(۳) فَقُلۡ اِنَّمَا الۡغَیۡبُ لِلّٰہِ فَانۡتَظِرُوۡۤا اِنِّیۡ مَعَکُمۡ مِّنَ الۡمُنۡتَظِرِیۡنَ ۝ (یونس ۔ ع ۳)

آپ کہہ دیجئے کہ غیب کا علم تو بس اللہ ہی کو ہے۔ سو تم بھی انتظار کرو اور میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرنے والوں میں ہوں،

اور کہیں اس عبارت کے ساتھ۔

(۴) لِلّٰہِ غَیۡبُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ وَاِلَیۡہِ یُرۡجَعُ الۡاَمۡرُ کُلُّہٗ فَاعۡبُدۡہُ وَتَوَکَّلۡ عَلَیۡہِ۔ (ہود ۔ ع ۱۰)

آسمانوں اور زمین کی جتنی بھی چھپی ہوئی چیزیں ہیں، وہ اللہ ہی کے علم میں ہیں۔ اور ہر شے اسی کی طرف رجوع ہونے والی ہے۔ بس آپ اسکی عبادت کرتے رہیے اور اسی پر توکل رکھیے۔

ان بالواسطہ طریقوں کے علاوہ براہ راست اور فرداً فرداً بھی نفی مختلف انبیاءؑ سے علم کامل اور علم غیب کی ہے۔ چنانچہ نبیؑ اولوالعزم حضرت موسیٰؑ کے قصہ میں ہے کہ جب آپؑ کو ایک بندۂ مقرب کے پاس بھیجا گیا، جنہیں بعض علوم خصوصی سے نوازا جا چکا تھا، مگر جن کی پیمبری کے ذکر سے قرآن مجید خاموش ہے، تو آپؑ نے ان سے عرض کیا،

(۵) ھَلۡ اَتَّبِعُکَ عَلٰۤی اَنۡ تُعَلِّمَنِ مِمَّا عُلِّمۡتَ رُشۡدًا۔ (الکہف ۔ ع ۹)

کیا میں آپ کے ساتھ رہ سکتا ہوں اس شرط کے ساتھ کہ آپ مجھے بھی اس علم شریف میں سے کچھ سکھا دیں جو آپ کو سکھایا گیا ہے۔

یہاں اس کی صراحت ہے کہ نبی اولوالعزم بعض علوم سے محروم ہے اور ان کے سیکھنے کی وہ درخواست ایک غیر نبی سے کر رہا ہے۔ اس پر وہ بزرگ جو جواب دیتے ہیں۔ اس میں ایک پیمبر کی بے خبری اور لاعلمی کو اور زیادہ کھول دیتے ہیں۔

(۶) قَالَ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيْعَ مَعِيَ صَبْرًا وَّكَيْفَ تَصْبِرُ عَلٰى مَا لَمْ تُحِطْ بِهٖ خُبْرًا۔ (ایضاً)

وہ بولے آپ میرے ساتھ ضبط نہ کرسکیں گے اور آپ ان امور پر ضبط کر بھی کیسے سکتے ہیں جو آپ کے دائرۂ علم سے خارج ہیں۔

حضرت موسیٰؑ عہد کرتے ہیں جو عجائب واقعات دیکھیں گے، ان پر کوئی سوال نہ کریں گے، لیکن اس کے باوجود بے اختیار ہو کر سوال کر ہی بیٹھتے ہیں اس پر وہ بزرگ ٹوکتے ہیں، اور عہد یاد دلاتے ہیں۔

(۷) اَلَمْ اَقُلْ لَّكَ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيْعَ مَعِيَ صَبْرًا۔ (الکہف ع ۱۰)

کیا میں نے آپ سے کہہ نہیں دیا تھا کہ آپ میرے ساتھ رہ کر ضبط نہ کرسکیں گے۔

آپؑ نسیان کو عذر میں پیش کرتے ہیں۔ لیکن پھر ایک امر، پہلے سے بھی بڑھ کر اور آپؑ کے اپنے دائرۂ علم سے بہت باہر، آپ کے مشاہدہ میں آتا ہے۔ اور آپ ٹوکنے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔ اور وہ بزرگ پھر وہی ارشاد فرماتے ہیں۔

(۸) اَلَمْ اَقُلْ لَّكَ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيْعَ مَعِيَ صَبْرًا۔ (ایضاً)

میں نے آپ سے کہہ دیا تھا نہ، کہ آپ میرے ساتھ ضبط نہ کرسکیں گے۔

آپؑ عرض کرتے ہیں کہ اچھا میں اب کی اگر پھر بولا، تو آپ مجھے اپنے ساتھ سے الگ کر دیجئے گا۔ لیکن اب کی پھر جو مشاہدہ ہوتا ہے۔ وہ بھی آپ کی حدّ صبر سے باہر ہو جاتا ہے۔ اور آخر کار وہ بزرگ آپ کو اپنے سے جدا کر ہی کے رہتے ہیں۔ فرماتے ہیں۔

(۹) هٰذَا فِرَاقُ بَيْنِيْ وَبَيْنِكَ سَاُنَبِّئُكَ بِتَاْوِيْلِ مَا لَمْ تَسْتَطِعْ عَّلَيْهِ صَبْرًا۔ (الکہف۔ ع ۱۰)

بس اب ہماری آپ کی جدائی ہے اب میں آپ کو ان چیزوں کی حقیقت بتائے دیتا ہوں۔ جن پہ آپ سے ضبط نہ ہوسکا۔

اس سارے قصّہ میں بیان خدائی علم اور بشری علم کے فرق کا نہیں، بیان اس فرق عظیم کا ہے۔ جو ایک پیمبرِ برحق کے علم، اور ایک دوسرے بزرگ کے علم کے درمیان

تھا! ـ علم محیط و کامل، یا علم الٰہی کا ذکر ہی کیا!

انہیں حضرت موسیٰؑ کے قصہ میں یہ بھی آتا ہے کہ جب آپؑ اپنے اہل خانہ سمیت مدین سے مصر کو چلے ہیں، تو رات کو راستہ میں ایک جگہ آپؑ کو روشنی نظر آئی، جسے آپ آگ سمجھے۔ اس وقت آپ نے اپنے گھر والوں سے کہا۔

(۱۰) اِمْكُثُوٓا اِنِّيٓ اٰنَسْتُ نَارًا لَّعَلِّيٓ اٰتِيْكُمْ مِّنْهَا بِخَبَرٍ اَوْ جَذْوَةٍ مِّنَ النَّارِ لَعَلَّكُمْ تَصْطَلُوْنَ۔ (القصص ـ ع ۴)	تم (یہیں) ٹھہری رہو، میں نے ایک آگ دیکھی ہے۔ شاید کہ میں وہاں سے تمہارے لئے کچھ خبر لے آوں یا آگ کا کوئی انگارا ہی لے آؤں، جس سے تم تاپ سکو۔

لیکن جب وہاں پہنچے، تو آپ کو اپنے اندازہ کی شدید غلطی کا علم ہوا جس چیز کو جزم کے ساتھ آگ سمجھے ہوئے تھے۔ وہ نور الٰہی کی ایک تجلّی نکلی ـ حواس کے ذریعہ سے دھوکا جس طرح ہر بشر کو ہو سکتا ہے پیمبروں کو بھی ہوتا ہے۔

یہی حضرت موسیٰؑ جب ایک بار اپنی قوم کو اپنے بھائی حضرت ہارونؑ کے سپرد کر کے حسب طلب کوہ طور پہ تشریف لے گئے ہیں اور آپؑ کی غیر حاضری میں قوم نے گوسالہ پرستی شروع کر دی۔ تو واپسی پہ یہ منظر دیکھ کر آپؑ کو شدید غصہ آیا۔ اور آپؑ نے وہ غصہ حضرت ہارونؑ پہ اُتارنا شروع کیا ہے، کہ حضرت ہارونؑ اپنی صفائی یوں پیش کرتے ہیں۔

(۱۱) قَالَ ابْنَ اُمَّ اِنَّ الْقَوْمَ اسْتَضْعَفُوْنِيْ وَكَادُوْا يَقْتُلُوْنَنِيْ فَلَا تُشْمِتْ بِيَ الْاَعْدَآءَ وَلَا تَجْعَلْنِيْ مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ۔ (الاعراف ـ ع ۱۸)	بولے اے میرے ماں جائے۔ ان لوگوں نے مجھے بے حقیقت سمجھا، اور مجھے مار ڈالنے کو تھے۔ تو تم مجھ پر دشمنوں کو تو نہ ہنسواؤ، اور مجھے ظالم لوگوں میں تو نہ شمار کرو۔

لاعلمی اور بے خبری کے باعث، حضرت موسیٰؑ بھی کس درجہ دھوکے میں پڑ گئے تھے!

حضرت عیسیٰؑ کے ذکر میں آتا ہے، کہ جب حشر میں آپؑ سے سوال ہوگا، کہ کیا تم اپنی امت کو مسیح پرستی اور مریم پرستی کی تعلیم دے آئے تھے، تو وہ جواب میں عرض کرینگے۔

(۱۲) سُبْحٰنَكَ مَا يَكُوْنُ لِيْ اَنْ اَقُوْلَ مَا لَيْسَ لِيْ بِحَقٍّ ۚ اِنْ كُنْتُ قُلْتُهٗ فَقَدْ عَلِمْتَهٗ تَعْلَمُ مَا فِيْ نَفْسِيْ وَلَآ اَعْلَمُ مَا فِيْ نَفْسِكَ اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ۔ (المائدہ ۔ ع ۱۶)	تیری ذات پاک ہے۔ میں کس طرح ایسی بات کہہ سکتا ہوں جو میرے لئے (کسی طرح) درست نہ تھی، اگر میں نے کہا ہوتا تو تجھے ضرور ہی اس کا علم ہوتا، تو تو جانتا ہے اسے جو کچھ میرے دل میں ہے البتہ میں نہیں جانتا جو کچھ تیرے علم میں ہے۔ غیبوں کا خوب جاننے والا تو بس تو ہی ہے۔

اس میں علم الٰہی کے کامل ہونے کے اثبات کے ساتھ اپنے علم کامل کی نفی بھی صاف ہے۔

حضرت نوحؑ بھی ایک پیمبر جلیل القدر گزرے ہیں۔ آپ کے متعلق ہے کہ جب آپؑ نے اپنے ڈوبتے ہوئے (لیکن مشرک) فرزند کے بچ جانے کی دعا کی ہے۔ تو ادھر سے جواب میں ارشاد ہوا۔

(۱۳) فَلَا تَسْئَلْنِ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ۚ اِنِّيْٓ اَعِظُكَ اَنْ تَكُوْنَ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ۔ (ہود ۔ ع ۴)	ایسی چیز کو مجھ سے نہ مانگو۔ جو تمہارے دائرۂ علم سے باہر ہے میں تمہیں نصیحت کرتا ہوں کہ تم نادان نہ بن جاؤ۔

حضرت نوحؑ کو اس جلالتِ قدر کے باوجود اتنا بھی علم نہ تھا کہ خود اُن کے فرزند مسلک توحید پر نہیں، راہ شرک پر ہیں۔ اور یہی ان کو جتا دیا گیا۔

یہی حضرت نوحؑ جب اپنی قوم کو دعوت توحید دیتے ہیں، تو اپنے منصب پیمبری کی تشریح میں صفائی سے کہہ دیتے ہیں کہ میں غیب کا علم نہیں رکھتا۔

(۱۴) وَلَآ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِيْ خَزَآئِنُ	اور میں تم سے یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے

اللّٰہِ وَلَآ اَعْلَمُ الْغَیْبَ ۔ (ہود۔ ع ۳) (سارے) خزانے ہیں، اور نہ میں علم غیب ہی رکھتا ہوں۔

حضرت یعقوبؑ کی عظمت نبوّت میں کس مسلمان کو شبہ ہو سکتا ہے جب آپؑ کے فرزندوں کی جماعت فلسطین سے مصر کے سفر پر جانے لگی۔ تو آپ نے انہیں ایک ہدایت یہ بھی کی تھی، کہ شہر میں سب ایک ہی پھاٹک سے داخل نہ ہونا۔ لیکن یہ تدبیر بھی انہیں ضرر سے ذرا نہ بچا سکی۔ وہاں ارشاد ہوتا ہے۔

(۱۵) مَا کَانَ یُغْنِیْ عَنْهُمْ مِّنَ اللّٰہِ مِنْ شَیْءٍ اِلَّا حَاجَةً فِیْ نَفْسِ یَعْقُوْبَ قَضٰهَا ۔ (یوسف ۔ ع ۸) اس سے ان (لڑکوں) پر سے خدا کا حکم تو کسی طرح بھی ٹل نہ سکا البتہ یعقوب کے دل میں ایک ارمان تھا۔ جسے انہوں نے پورا کر لیا۔

تدبیر کی یہ بے اثری ظاہر ہے کہ قدرت اور علم کی کمی ہی کا نتیجہ تھی۔

ایک نبی قدیم حضرت ہودؑ کے ذکر میں آتا ہے، کہ جب آپؑ نے اپنی قوم کو عذاب آخرت سے ڈرایا تو وہ سرکش لوگ بولے، کہ دھمکی کیا دیتے ہو، وہ عذاب لے آؤ نہ۔ اس پر آپؑ نے فرمایا۔

(۱۶) اِنَّمَا الْعِلْمُ عِنْدَ اللّٰہِ وَاُبَلِّغُکُمْ مَّآ اُرْسِلْتُ بِهٖ وَلٰکِنِّیْٓ اَرٰىکُمْ قَوْمًا تَجْهَلُوْنَ ۔ (الاحقاف ۔ ع ۳) (پورا) علم تو بس اللہ ہی کو ہے۔ مجھ کو تو جو پیغام دے کر بھیجا گیا ہے۔ بس وہی میں پہنچا دیتا ہوں۔ البتہ تمہیں کو دیکھتا ہوں کہ جہالت کی باتوں میں پڑے ہوئے ہو۔

حضرت موسیٰؑ سے جب فرعون نے امتحاناً سوال کیا ہے کہ اچھا جو امتیں پہلے گزر چکی ہیں۔ وہ کس حال میں ہیں۔ تو آپؑ نے جواب میں علم الٰہی کا حوالہ دے کر گویا اپنی لاعلمی ظاہر کر دی۔

(۱۷) قَالَ عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّیْ آپ نے کہا کہ اس کا علم تو اللہ ہی کے پاس

فِیۡ کِتٰبٍ ۔ (طٰہٰ ۔ ع ۲) ایک دفتر میں ہے۔

ایک نبی حضرت زکریاؑ بھی ہوئے ہیں۔ جب آپؑ کو آپؑ ہی کی دعا پر، کبر سنی میں فرزند کی بشارت دی گئی ہے، تو آپؑ نے فرطِ حیرت سے سوال کر دیا ہے۔

(۱۸) قَالَ رَبِّ اَنّٰی یَکُوۡنُ لِیۡ غُلٰمٌ وَّ کَانَتِ امۡرَاَتِیۡ عَاقِرًا وَّ قَدۡ بَلَغۡتُ مِنَ الۡکِبَرِ عِتِیًّا ۔ (مریم ۔ ع ۱)

عرض کی، کہ اے میرے پروردگار، میرے اولاد کیونکر ہوگی، جبکہ میری بیوی بانجھ ہے اور میں ضعیفی کی انتہا کو پہنچ چکا ہوں۔

اس حیرت کی بنیاد کیا تھی؟ وہی اپنے علم کا محدود و ناقص ہونا۔

حضرت ابراہیمؑ خلیل اللہ نبی ہی نہیں، ابوالانبیاء ہوئے ہیں۔ آپؑ نے اپنے مشرک والد کے حق میں دعائے مغفرت کر دی۔ ادراس کا آپؑ کو علم بھی نہ ہو پایا، کہ وہ تو موحد نہیں مشرک تھے۔ قرآن مجید نے اسے کھل کر بیان کر دیا ہے۔

(۱۹) وَمَا کَانَ اسۡتِغۡفَارُ اِبۡرٰہِیۡمَ لِاَبِیۡہِ اِلَّا عَنۡ مَّوۡعِدَۃٍ وَّعَدَہَاۤ اِیَّاہُ ۚ فَلَمَّا تَبَیَّنَ لَہٗۤ اَنَّہٗ عَدُوٌّ لِّلّٰہِ تَبَرَّاَ مِنۡہُ ۔ (التوبۃ ۔ ع ۱۴)

اور ابراہیم کی دعائے مغفرت اپنے والد کے حق میں، تو وعدہ کی بنا پر تھی جو وہ اس سے کر چکے تھے۔ لیکن جب ان پر یہ ظاہر ہو گیا کہ وہ تو اللہ کا دشمن ہے، تو وہ اس سے محض بے تعلق ہو گئے۔

علم کامل ہوتا تو اس کی نوبت ہی کیوں آتی۔

انہیں حضرت خلیل اللہ کے پاس جب فرشتے، انسانی شکل میں آتے ہیں۔ اور آپ کو پیرانہ سالی میں تولّد فرزند کی بشارت دی ہے تو آپؑ چونک سے پڑے ہیں — یہ اظہار تعجب، محض خلاف اسباب عادیہ ہونے کی بنا پر تھا۔ جو خود ایک کرشمہ علم کی کمی کا تھا۔

(۲۰) قَالَ اَبَشَّرۡتُمُوۡنِیۡ عَلٰۤی اَنۡ مَّسَّنِیَ الۡکِبَرُ فَبِمَ تُبَشِّرُوۡنَ ۔ قَالُوۡا

بولے بشارت تم مجھے اس حال میں دے رہے ہو، کہ جب میں بوڑھا ہو چکا ہوں۔ تو اب بشارت

بَشَّرْنٰكَ بِالْحَقِّ فَلَا تَكُنْ مِّنَ الْقَانِطِيْنَ۔ (الحجر۔ ع ۴)
کاہے کی دے رہے ہو؟ وہ بولے کہ (نہیں) ہم آپ کو امرواقعی کی بشارت دے رہے ہیں۔ سو آپ مایوس نہ ہوں۔

آپؑ نے انہیں پہچانا تک نہیں، کہ یہ فرشتے ہیں۔ اوراسی لئے ان اجنبی نوواردوں سے آپؑ کو خوف بھی معلوم ہوا تھا۔

(۲۱) قَالَ اِنَّا مِنْكُمْ وَجِلُوْنَ۔ (ایضاً)
آپ بولے کہ ہم تو تم سے خائف ہیں،

اِسی حقیقت کا اعادہ ایک جگہ اور بھی ہے۔

(۲۲) اِذْ دَخَلُوْا عَلَيْهِ فَقَالُوْا سَلٰمًا قَالَ سَلٰمٌ قَوْمٌ مُّنْكَرُوْنَ۔ (الذاریات۔ ع ۲)
جب وہ ابراہیمؑ کے پاس آئے تو انہیں سلام کیا، انہوں نے بھی (جواب میں) سلام کیا۔ یہ اجنبی لوگ ہیں۔

اور یہی فرشتے جب وہاں سے چل کر ایک دوسرے پیمبر حضرت لوطؑ کے ہاں آئے ہیں۔ تو آپؑ بھی نہ پہچان سکے، کہ یہ فرشتے ہیں اجنبی انسان ہی سمجھے۔

(۲۳) قَالَ اِنَّكُمْ قَوْمٌ مُّنْكَرُوْنَ۔ (الحجر۔ ع ۵)
آپ نے (ان نوواردوں سے) کہا کہ تم تو اجنبی لوگ ہو۔

پیمبروں کا علم اگر کامل ہوتا تو فرشتوں کی شناخت میں انہیں دھوکا کیوں ہونے لگا تھا۔

ان سارے پیمبروں کے علاوہ، خود سید الانبیاءؑ کے علم کی محدودیت کو قرآن مجید نے اور زیادہ کھول کر، اور زیادہ تکرار کے ساتھ بیان کیا ہے، مختلف زاویوں سے، اور زندگی کے متعدد شعبوں میں۔

حضرت مریمؑ کی پیدائش اور پرورش کے واقعات بیان کر کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ارشاد ہوتا ہے۔

(۲۴) ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهِ اِلَيْكَ ۔ (آل عمران ۔ ع ۵)
یہ قصّے غیب کی خبروں میں سے ہیں۔ جن کی ہم آپ پر وحی کرتے ہیں۔

غیب، علم، مقابل کی چیز ہے۔ یعنی وہ چیزیں جو آپؐ کے دائرہ علم و خبر سے باہر ہیں۔ اور ایسے ہی الفاظ ایک جگہ اور آئے ہیں، جہاں لاعلمی میں آپؐ کو آپؐ کی قوم کے ساتھ شریک و شامل کیا ہے۔

(۲۵) تِلْكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهَآ اِلَيْكَ مَا كُنْتَ تَعْلَمُهَآ اَنْتَ وَلَا قَوْمُكَ مِنْ قَبْلِ هٰذَا ۔ (ہود۔ ع ۴)
یہ قصہ بھی غیب کی خبروں میں سے ہے جن کی ہم آپ کو وحی پہنچاتے ہیں۔ اس کو اس کے قبل نہ آپ جانتے تھے اور نہ آپ کی قوم۔

حضرت یوسفؑ کے قصّہ کی تصریحات کے سلسلہ میں ہے، کہ یہ تو اب آپؐ کو قرآن کے ذریعہ سے بتائے جارہے ہیں۔ ورنہ آپؐ اب تک ان سے بے خبر تھے۔

(۲۶) وَاِنْ كُنْتَ مِنْ قَبْلِهٖ لَمِنَ الْغٰفِلِيْنَ ۔ (یوسف، ع ۱)
اور گو آپ اس سے قبل اس سے (محض) بے خبر تھے۔

اسی قصہ کی تفصیلات سے متعلق ایک جگہ پھر اسی سورت میں آپؐ سے علم کی نفی کی ہے۔

(۲۷) ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهِ اِلَيْكَ ۔ (یوسف۔ ع ۱۱)
یہ قصّے بھی ان غیبی خبروں میں سے ہیں جن کی ہم آپؐ کی طرف وحی کرتے ہیں۔

علم غیب کی نفی خود آپؐ کی زبان سے کرائی گئی ہے۔ اور آپؐ سے کہلایا گیا ہے۔

(۲۸) وَلَوْ كُنْتُ اَعْلَمُ الْغَيْبَ لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ وَمَا مَسَّنِيَ السُّوْٓءُ اِنْ اَنَا اِلَّا نَذِيْرٌ وَّبَشِيْرٌ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ۔ (الاعراف ع ۲۲)
اور اگر میں غیب کی باتیں جانتا ہوتا تو نفع خوب اکٹھے کرلیتا اور مضرت کوئی بھی مجھ کو واقع نہ ہوتی میں تو بس ان لوگوں کو جو ایمان رکھتے ہیں بشارت دینے والا اور ڈرانے والا ہوں۔

اور یہ نفی اسی ایک جگہ نہیں دوسری جگہ بھی اسی تصریح و وضاحت کے ساتھ ہے۔

(۲۹) قُلْ لَّآ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِىْ خَزَآئِنُ اللّٰهِ وَلَآ اَعْلَمُ الْغَيْبَ وَلَآ اَقُوْلُ لَكُمْ اِنِّىْ مَلَكٌ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰٓى اِلَىَّ ۔ (الانعام ۔ ع ۵)

آپ کہہ دیجئے میں تم سے یہ تو نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے (سارے) خزانے ہیں اور نہ میں غیب کا علم رکھتا ہوں ۔ اور نہ میں یہ کہتا ہوں کہ فرشتہ ہوں ۔ میں تو بس اس وحی کی پیروی کرنے والا ہوں ۔ جو میرے اوپر آتی ہے ۔

پھر جس طرح عام بشری قانون ہے کہ بے علم انسان کو جو کچھ بھی علم ملتا ہے، وہ اللہ ہی کی تعلیم سے ملتا ہے ۔ علّم الانسان مالم یعلم ۔ اسی طرح پیمبر کی بھی لاعلمی اور بے خبری کا علاج تعلیم الٰہی ہی سے ہوتا ہے ۔ رسول اللہ کو خطاب کرکے ارشاد ہوتا ہے ۔

(۳۰) وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ ۔ (النساء ۔ ع ۱۷)

اور اللہ ہی نے آپ کو وہ باتیں سکھائیں جو آپؐ کے علم میں نہ تھیں ۔

منافقین جو گروہ در گروہ مدینہ میں آباد تھے، اُن کے بارے میں ارشاد ہوا ہے کہ

(۳۱) لَا تَعْلَمُهُمْ نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ ۔ (التوبۃ ۔ ع ۱۳)

آپ ان سے واقف نہیں، اُن سے ہم واقف ہیں ۔

بار بار آپؐ سے سوالات آمد قیامت کے وقت سے متعلق کئے جاتے تھے ۔ یعنی قیامت کب آئے گی ۔ جواب میں ہمیشہ آپؐ سے براہ راست یا بالواسطہ یہی کہلایا گیا، کہ مجھے وقت کا کیا علم، اس کا علم تو عالم الغیب ہی کو ہے ۔

(۳۲) يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ السَّاعَةِ اَيَّانَ مُرْسٰهَا قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّىْ لَا يُجَلِّيْهَا لِوَقْتِهَآ اِلَّا هُوَ ۔ (الاعراف ۔ ع ۲۳)

یہ لوگ آپ سے قیامت کے متعلق سوال کرتے ہیں، کہ کب واقع ہوگی ۔ آپ کہہ دیجئے کہ اس کا علم تو میرے پروردگار ہی کے پاس ہے اس کے وقت پر اس کو بجز اللہ کے کوئی ظاہر نہ کریگا ۔

اسی سلسلہ میں گویا اسی سے متصل یہ بھی ہے۔

(۳۳) يَسْئَلُوْنَكَ كَاَنَّكَ حَفِيٌّ عَنْهَا قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ اللّٰهِ۔ (الاعراف۔ ع ۲۳)

یہ آپ سے اسی طرح سوال کرتے ہیں کہ گویا آپ اس کی تحقیقات کر چکے ہیں۔ آپ کہہ دیجئے کہ اس کا علم اللہ ہی کے پاس ہے۔

اور دوسری جگہ یوں ارشاد ہوا ہے۔

(۳۴) يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ السَّاعَةِ اَيَّانَ مُرْسٰهَا فِيْمَ اَنْتَ مِنْ ذِكْرٰهَا اِلٰى رَبِّكَ مُنْتَهٰهَا اِنَّمَا اَنْتَ مُنْذِرُ مَنْ يَّخْشٰهَا۔ (والنازعات)

یہ لوگ آپ سے قیامت کے سوال کرتے ہیں کہ کب واقع ہوگی۔ اس کے بیان کرنے سے آپ کا کیا تعلق۔ یہ علم تو اللہ ہی پر منتہی ہوتا ہے اور آپ تو بس اُسے ڈرانے والے ہیں جو اس سے ڈرتا ہو۔

آپؐ سے تو یہاں تک کہلا دیا گیا ہے کہ مجھے تو اس کا بھی علم نہیں، کہ تم سے جو کچھ وعدہ کیا جاتا ہے (عذاب کا قیامت کا)، تو آیا وہ قریب ہے یا دور ہے۔

(۳۵) وَاِنْ اَدْرِيْ اَقَرِيْبٌ اَمْ بَعِيْدٌ مَّا تُوْعَدُوْنَ ...... وَاِنْ اَدْرِيْ لَعَلَّهٗ فِتْنَةٌ لَّكُمْ وَمَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ۔ (الانبیاء۔ ع ۷)

اور میں نہیں جانتا کہ جس کا تم سے وعدہ ہوا ہے وہ قریب ہے یا دور دراز...... اور میں نہیں جانتا شاید وہ تمہارے لئے امتحان ہو اور ایک وقت تک نفع پہنچانا ہو۔

اور اسی سے ملتا ہوا مضمون ایک دوسری جگہ۔

(۳۶) قُلْ اِنْ اَدْرِيْ اَقَرِيْبٌ مَّا تُوْعَدُوْنَ اَمْ يَجْعَلُ لَهٗ رَبِّيْ اَمَدًا عٰلِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖ اَحَدًا اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ (الجن ع ۲)

آپ کہہ دیجئے کہ مجھے علم نہیں کہ جس چیز کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے، آیا وہ نزدیک ہے، یا میرے پروردگار نے اس کے لئے کوئی مدت دراز کر رکھی ہے۔ غیب کا جاننے والا (بس وہی ہے) سو وہ

اپنے غیب پر کسی کو مطلع نہیں کرتا مگر ہاں اپنے کسی برگزیدہ پیغمبر کو۔

اور ایک بار پھر اسی سوال وقت قیامت کے سلسلے میں۔

(۳۷) يَسْئَلُكَ النَّاسُ عَنِ السَّاعَةِ قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ اللّٰهِ وَمَا يُدْرِيْكَ لَعَلَّ السَّاعَةَ تَكُوْنُ قَرِيْبًا۔
(الاحزاب۔ ع ۸)

یہ لوگ آپ سے قیامت کے بارے میں سوال کرتے ہیں آپ کہہ دیجئے کہ اس کی خبر تو بس اللہ ہی کے پاس ہے اور آپ کیا جانیں عجب نہیں کہ قیامت قریب ہی واقع ہو جائے۔

آپؐ کو تعلیم اس دعا کی مل رہی ہے کہ اے میرے پروردگار، میرا علم بڑھا۔

(۳۸) وَقُلْ رَّبِّ زِدْنِيْ عِلْمًا۔
(طٰہٰ۔ ع ۶)

آپؐ کہئے کہ اے میرے پروردگار، میرا علم بڑھا۔

ظاہر ہے کہ اگر آپؐ کا علم کامل و محیط ہوتا، تو علم میں اضافہ یا ازدیاد کے معنی ہی کیا رہ جاتے۔

آپؐ کو تو اس تک کا علم نہ تھا کہ آپؐ کو نبوت و کتاب مل کر رہے گی۔

(۳۹) وَمَا كُنْتَ تَرْجُوْٓا اَنْ يُّلْقٰٓى اِلَيْكَ الْكِتٰبُ اِلَّا رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ۔
(القصص۔ ع ۹)

آپ کو تو یہ توقع نہ تھی کہ (یہ) کتاب آپ پر نازل ہوگی، مگر آپ کے پروردگار کی رحمت سے (اس کا نزول ہو گیا)

اور دوسری جگہ۔

(۴۰) لَاَرَيْنٰكَهُمْ فَلَعَرَفْتَهُمْ بِسِيْمٰهُمْ وَلَتَعْرِفَنَّهُمْ فِيْ لَحْنِ الْقَوْلِ۔
(محمد۔ ع ۴)

آپ کو ان لوگوں کو دکھا دیتے۔ آپ ان کے چہروں سے ان کو ضرور پہچان لیں گے، ان کی لچھے دار بات کے ڈھب سے بھی ان کو پہچان لیں گے۔

(۴۱) وَمَا كُنْتَ تَتْلُوْا مِنْ قَبْلِهٖ مِنْ

تو آپ اس (کتاب) سے قبل نہ کوئی کتاب

كِتَابٍ وَّلَا تَخُطُّهٗ بِيَمِيْنِكَ ۔ (العنکبوت ۔ ع ۵)
پڑھے ہوئے تھے اور نہ اُسے اپنے ہاتھ سے لکھ سکتے تھے ۔

دوسرے تو دوسرے ہیں، خود آپؐ کے ساتھ کیا معاملہ ہوگا۔ اس تک کا علم آپؐ کو نہیں دیا گیا ہے ۔ اور اس کو آپؐ کی زبان سے کہلا یا بھی گیا ہے ۔

(۴۲) قُلْ مَا كُنْتُ بِدْعًا مِّنَ الرُّسُلِ وَمَآ اَدْرِيْ مَا يُفْعَلُ بِيْ وَلَا بِكُمْ ۔ (الاحقاف ۔ ع ۱)
آپ کہہ دیجئے کہ میں کوئی انوکھا رسول تو ہوں نہیں نہ مجھے اس کی خبر، کہ میرے ساتھ یا تمہارے ساتھ کیا معاملہ پیش آئے گا۔

منافق اس طرف سے غافل اور بے فکر تھے کہ اللہ ان کو بے نقاب کرکے رہے گا۔ عالم الغیب کے بتا دینے سے تو رسولؐ اللہ کو ان کی ایک جزئی تفصیل معلوم ہو سکتی تھی۔

(۴۳) اَمْ حَسِبَ الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ اَنْ لَّنْ يُّخْرِجَ اللّٰهُ اَضْغَانَهُمْ وَلَوْ نَشَآءُ لَاَرَيْنٰكَهُمْ فَلَعَرَفْتَهُمْ بِسِيْمٰهُمْ وَلَتَعْرِفَنَّهُمْ فِيْ لَحْنِ الْقَوْلِ ۔ (محمد ۔ ع ۴)
جن لوگوں کے دلوں میں مرض ہے کیا یہ لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ اللہ کبھی ان کی دلی عداوتوں کو (اسلام و رسول اسلام کے ساتھ) ظاہر نہ کرے گا؟ حالانکہ اگر ہم چاہتے تو ہم آپ کو ان کا پورا پتہ بتا دیتے، تو آپ ان کو حلیئے سے پہچان لیتے ۔ اور آپ ان کو ان کے طرز کلام سے ضرور پہچان لیں گے ۔

ان چیزوں سے آپؐ بھی ہر بشر کی طرح لاعلم ہی تھے ۔ جب ہی تو وحی الٰہی کو افشائے راز کی دھمکی دینے کی ضرورت پڑی ۔

آپؐ سے سب سے قریب رہنے والیاں، یعنی حضرت کی بیبیاں تک یہ بخوبی جانتی تھیں کہ آپؐ کو علم بس حد بشر ہی تک ہے ۔ اور علم الٰہی کی طرح کامل و محیط نہیں۔ چنانچہ ایک بار آپؐ نے ایک بی بی صاحبہ پر اُن کے ایک راز کو ظاہر کر دیا تو انہوں نے

جبرئ سے دریافت کیا۔ کہ آپؐ کو اس کی خبر کیسے ہوگئی۔

(۴۴) فَلَمَّا نَبَّاَهَا بِهٖ قَالَتْ مَنْ اَنْبَاَكَ هٰذَا۔ (التحریم۔ ع ۱)
جب آپؐ نے انہیں اس واقعہ کی خبر دی، تو وہ بولیں کہ آپ کو کس نے یہ خبر دی؟

اور آپؐ نے جواب میں یہ ارشاد نہ فرمایا، کہ خبر کون دیتا، مجھے خود ہی علم رہتا ہے۔ بلکہ یہ فرمایا کہ خدائے عالم الغیب نے مجھے خبر دے دی۔

(۴۵) قَالَ نَبَّاَنِیَ الْعَلِیْمُ الْخَبِیْرُ۔ (ایضًا)
آپؐ نے فرمایا کہ مجھے خبر دی خدائے علیم وخبیر نے۔

اسی طرح اور ایک اور سبق آموز جزئی واقعہ آپؐ کی سیرت مبارک کا قرآن مجید میں درج ہے کہ آپؐ نے ایک نابینا صحابی کی طرف سے منہ پھیر لیا، جب وہ آپؐ سے ایک سوال کر رہے تھے۔ اور آپؐ اُس وقت قریش کے سرداروں کی تبلیغ دین میں مشغول تھے۔ اس پر خطاب الٰہی آپؐ سے یوں ہوا،

(۴۶) ..... وَمَا یُدْرِیْكَ لَعَلَّهٗ یَزَّكّٰۤى اَوْ یَذَّكَّرُ فَتَنْفَعَهُ الذِّكْرٰى۔ (عبس)
آپ کو کیا خبر، کہ وہ سنور ہی جاتے یا نصیحت قبول کرتے، تو وہ نصیحت کرنا انہیں نفع پہنچاتا۔

علم اگر آپؐ کا کامل ومحیط ہوتا، تو اس طریق خطاب کی نوبت ہی کیوں آتی۔

باب ⑨

طبعی کیفیات وانفعالات

حضرات انبیاء، اسلامی عقیدے میں، صرف معصیت سے محفوظ ہوتے ہیں۔ بشری خصوصیات اور بشر کے جو طبعی کیفیات ہوتے ہیں، ان سے وہ ماورا نہیں، بلکہ ان میں وہ عام انسانوں کے شریک اور انہیں کے مثل ومماثل ہوتے ہیں۔

منکروں اور مشرکوں کے قبول حق کی راہ میں سب سے بڑھ کر انبیاء کی یہی بشری صفت مانع رہی ہے۔ فرعونیوں نے طنز وتبختر کے لہجے میں حضرت موسیٰؑ وحضرت ہارونؑ سے متعلق۔

① فَقَالُوٓا اَنُؤۡمِنُ لِبَشَرَیۡنِ مِثۡلِنَا وَقَوۡمُهُمَا لَنَا عٰبِدُوۡنَ۔

(المومنون ـ ع ۳)

کہا کہ کیا ہم ایمان ان دونوں پر لے آئیں جو ہمارے ہی جیسے بشر ہیں اور ان کی قوم ہماری رعایا ہے۔

اور ہمارے رسول ﷺ کے خلاف بھی یہی اعتراض پیش ہوا۔

② وَقَالُوۡا مَالِ هٰذَا الرَّسُوۡلِ یَاۡكُلُ الطَّعَامَ وَیَمۡشِیۡ فِی الۡاَسۡوَاقِ لَوۡلَاۤ اُنۡزِلَ اِلَیۡهِ مَلَكٌ۔

(الفرقان ـ ع ۱)

(مشرکین مکہ) بولے کہ یہ کیسے رسول ہیں جو کھانا بھی کھاتے ہیں۔ اور بازاروں میں چلتے پھرتے بھی ہیں۔ ان پر کوئی فرشتہ (مرئی صورت میں) کیوں نہ نازل ہوا۔

جواب میں ان چیزوں کو بہ طور حقائق تسلیم کیا گیا۔ اور ارشاد ہوا کہ ہاں، کھانے پینے کے اعتبار سے ان میں اور تم سب میں کوئی فرق ہی نہیں۔

(۳) مَا هٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يَاْكُلُ مِمَّا تَاْكُلُوْنَ مِنْهُ وَيَشْرَبُ مِمَّا تَشْرَبُوْنَ ۔ (المومنون ۔ ع ۳)

یہ رسول بس ایک بشر ہی تو ہیں تم جیسے جس (کھانے) سے تم کھاتے ہو یہ بھی کھاتے ہیں اور جس (پانی) سے تم پیتے ہو، یہ بھی پیتے ہیں۔

عام قاعدہ ارشاد فرمادیا گیا کہ ان کے جسم ایسے بنائے ہی نہیں گئے کہ انہیں کھانے کی ضرورت نہ ہو، اور نہ یہ غیر فانی ہیں۔

(۴) وَمَا جَعَلْنٰهُمْ جَسَدًا لَّا يَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ وَمَا كَانُوْا خٰلِدِيْنَ ۔ (الانبیاء ۔ ع ۱)

نہ ہم نے ان کے جسم ایسے بنائے کہ کھانے (پینے) نہ ہوں اور نہ یہ ہمیشہ زندہ رہنے والے ہیں۔

اور رسول اعظمؐ کی تشفّی و تسکین کے لئے خصوصی طور پر ارشاد ہوا،

(۵) وَمَآ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّآ اِنَّهُمْ لَيَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ وَيَمْشُوْنَ فِى الْاَسْوَاقِ ۔ (الفرقان ۔ ع ۲)

اور ہم نے آپ سے قبل کوئی ایسے پیمبر بھیجے ہی نہیں جو کھاتے (پیتے) نہ ہوں اور بازاروں میں چلتے پھرتے نہ ہوں۔

پیمبر کھاتے پیتے رہتے ہی ہیں۔ البتہ اپنی اس کھلائی پلائی کو براہ راست وہ منسوب حق تعالےٰ ہی کی جانب کرتے رہتے ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کہتے ہیں۔

(۶) وَالَّذِيْ هُوَ يُطْعِمُنِيْ وَيَسْقِيْنِ ۔ (الشعراء ۔ ع ۵)

وہ اللہ ہی تو ہے جو مجھ کو کھلاتا ہے اور پلاتا ہے۔

پیمبروں کو بھوک لگتی ہے، اپنی اس حاجت مندی کا اظہار اپنے پروردگار سے کرتے ہیں۔ اور محنت کا کام کرکے سایہ میں جا بیٹھنے کی ضرورت محسوس کرتے ہیں۔ قرآن مجید کا کوئی ایک لفظ بھی حشو و بلاضرورت نہیں۔ کوئی خفیف جزئیہ بھی وہ بلاغرض و مقصد نہیں لایا ہے۔ حضرت موسیٰؑ کے قصہ میں ارشاد ہوا ہے۔

(۷) فَسَقٰى لَهُمَا ثُمَّ تَوَلّٰٓى اِلَى الظِّلِّ

آپؑ نے دونوں لڑکیوں کے لئے (کنویں سے

فَقَالَ رَبِّ اِنِّیْ لِمَآ اَنْزَلْتَ اِلَیَّ مِنْ خَیْرٍ فَقِیْرٌ۔ (القصص ۔ ع ۳) بھر کر) پانی پلایا۔ پھر سایہ کی جگہ جا بیٹھے پھر عرض کی کہ اے پروردگار جو نعمت بھی تو مجھے بھیج دے میں اس کا حاجت مند ہوں۔

پیمبر دوسروں کی خدمت کے لئے ان کے ہاں ملازمت بھی کر سکتے ہیں۔ اور ان سے اپنی خدمت کی اجرت یا تنخواہ طے کر سکتے ہیں۔ یہ سب تفصیل اسی قصہٴ موسوی کے سلسلے میں اسی مقام پر قرآن مجید میں مذکور ہے۔ (سورۃ القصص ۔ ع ۳)

پیمبر چلنے میں تھک بھی جاتے ہیں۔ جیسے ہر انسان لمبے سفر سے تھک جاتا ہے۔ عظمت پیمبری اس سے مانع ہرگز نہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام ایک لمبے سفر کے بعد اپنے خادم سے کہتے ہیں۔

(۸) اٰتِنَا غَدَآءَنَا لَقَدْ لَقِیْنَا مِنْ سَفَرِنَا هٰذَا نَصَبًا۔ (الکہف ۔ ع ۹) اب ہمارا ناشتہ لاؤ۔ ہم نے اس سفر سے بڑا تعب اٹھایا۔

نسیان بھی دُنیوی معاملات میں پیمبر کے لئے بالکل جائز ہے۔ اسی لمبے سفر میں مچھلی کو اپنے خادم کی طرح خود حضرت موسیٰؑ بھی فراموش کر گئے تھے۔

(۹) فَلَمَّا بَلَغَا مَجْمَعَ بَیْنِهِمَا نَسِیَا حُوْتَهُمَا۔ (ایضاً) جب دو دریاؤں کے سنگم پر دونوں پہنچے تو دونوں (یعنی موسیٰؑ اور ان کے خادم) اپنی اس مچھلی کو بھول گئے۔

حضرت موسیٰؑ ہی کے قصے میں یہ بھی ہے، کہ آپ اللہ کے ایک خاص بندے سے وعدہ کر چکے تھے، کہ ان کے کسی عمل پر سوال نہ کریں گے۔ لیکن اس کے باوجود اُن کے فعل منکر پر آپ سے نہ رہا گیا۔

اور آپؑ سوال کر ہی بیٹھے۔ اور اس وعدہ خلافی پر ان بزرگ نے جب ٹوکا ہے۔ تو آپؑ معذرت میں بس یہی کہہ سکے، بھول چوک کو معاف کیجئے۔

(۱۰) قَالَ لَا تُؤَاخِذْنِیْ بِمَا نَسِیْتُ۔ (الکہف۔ ع ۱۰) — بولے کہ میری بھول پر آپ میری گرفت نہ کیجئے۔

اور نسیان، محض دنیوی ہی نہیں، دینی معاملات تک میں پیمبر سے واقع ہو جانا ممکن ہے۔ یہ اور بات ہے کہ حق تعالیٰ اس کا تدارک بھی ہمیشہ بروقت کر دیتے ہیں۔ آیات قرآنی کے سلسلے میں ارشاد ہوا ہے۔

(۱۱) مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰیَۃٍ اَوْ نُنْسِھَا نَاْتِ بِخَیْرٍ مِّنْھَا۔ (البقرۃ۔ ع ۱۳) — ہم جس آیت (کے حکم) کو موقوف کر دیتے ہیں یا اسے بھلا دیتے ہیں (پیمبر کے ذہن سے) تو اس سے بہتر لے آتے ہیں۔

پیمبر بیماریوں سے محفوظ و مستثنیٰ نہیں ہوتے۔ بیمار بھی پڑ سکتے ہیں اور پڑتے ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کہتے ہیں۔

(۱۲) وَ اِذَا مَرِضْتُ فَھُوَ یَشْفِیْنِ۔ (الشعراء۔ ع ۵) — اور جب میں بیمار پڑ جاتا ہوں، تو وہی (اللہ) مجھ کو شفا دیتا ہے۔

حضرت ہی کی زبان سے ایک جگہ اور بھی بیماری کا مضمون ادا ہوا ہے۔

(۱۳) قَالَ اِنِّیْ سَقِیْمٌ۔ (الصّٰفّٰت ع ۳) — آپ بولے کہ میں بیمار ہوں۔

طبعی حالات میں دوسرے انسانوں کی طرح پیمبر بھی رنجور و مضمحل اپنے کو پاتے ہیں۔ حضرت یونسؑ کے حال میں آتا ہے۔

(۱۴) فَنَبَذْنٰہُ بِالْعَرَآءِ وَھُوَ سَقِیْمٌ۔ (الصّٰفّٰت۔ ع ۵) — ہم نے انہیں ایک چٹیل میدان میں ڈال دیا۔ اس حال میں کہ وہ رنجور تھے۔

بیماری سے اذیت بھی پیمبر محسوس کرتے ہیں، اور اس تکلیف سے نجات کی دعا بھی کرتے ہیں۔ حضرت ایوبؑ کے حالات میں آتا ہے۔

(۱۵) وَاَیُّوْبَ اِذْ نَادٰی رَبَّہٗٓ اَنِّیْ — اور ایوب کا ذکر کیجئے، جب انہوں نے اپنے

مَسَّنِيَ الضُّرُّ وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ۔ (الانبیاء - ع ٦)

پروردگار کو پکارا کہ اے پروردگار مجھ کو دکھ پہنچ رہا ہے۔ اور تو تو سب مہربانوں سے بڑھ کر مہربان ہے۔

دعا قبول ہوئی اور ان کی تکلیف دور کر دی گئی۔

(١٦) فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ فَكَشَفْنَا مَا بِهٖ مِنْ ضُرٍّ۔ (ایضاً)

سو ہم نے ان کی دعا قبول کی، اور انہیں جو دکھ پہنچ رہا تھا۔ اس سے انہیں نجات دی۔

حضرت یونسؑ ایک سخت جسمانی اذیت میں مبتلا تھے، اس سے آپؑ نے نجات کی دعا الحاح وزاری سے کی، اور آپؑ کو نجات دی گئی۔

(١٧) فَنَادٰى فِى الظُّلُمٰتِ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ اِنِّىْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ○ فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ وَنَجَّيْنٰهُ مِنَ الْغَمِّ۔ (ایضاً)

(یونس نے) ہم کو (مچھلی کے پیٹ کے) اندھیروں سے پکارا کہ تیرے سوا کوئی خدا نہیں، تو (ہر طرح) پاک ہے۔ بے شک میں ہی قصوروار ہوں۔ سو ہم نے ان کی دعا قبول کر لی اور انہیں گھٹن سے نجات دی۔

پیمبر بڑی بڑی تکلیفوں میں مبتلا ہو سکتے ہیں۔ اور ہوتے رہتے ہیں۔ اور ان سے نجات پانے کی دعا بھی کرتے ہیں۔ اللہ ہی انہیں آخر ایسے غم و کرب سے نجات دلاتا ہے۔ حضرت ابراہیمؑ و حضرت لوطؑ کے قصے کے آخر میں ہے۔

(١٨) وَنُوْحًا اِذْ نَادٰى مِنْ قَبْلُ فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ فَنَجَّيْنٰهُ وَاَهْلَهٗ مِنَ الْكَرْبِ الْعَظِيْمِ۔ (الانبیاء - ع ٦)

اور نوح کا ذکر کیجئے جبکہ اس کے قبل انہوں نے پکارا تھا، اور ہم نے ان کی دعا قبول کر لی تو ہم نے ان کو اور ان کے والوں کو بڑے بھاری کرب سے نجات دی۔

حضرت نوحؑ ہی اور ان کے والوں کے لئے یہ لفظ کرب عظیم اور اس سے نجات پانے

کا ذکر ایک جگہ اور بھی ہے۔ سورۃ الصّٰفّٰت ۔ ع ۳
اور ٹھیک یہی الفاظ حضرت موسیٰؑ و ہارونؑ کے سلسلے میں آئے ہیں کہ وہ بھی اذیت عظیم ہی میں مبتلا تھے۔

(۱۹) وَنَجَّيْنٰهُمَا وَقَوْمَهُمَا مِنَ الْكَرْبِ الْعَظِيْمِ۔ (الصّٰفّٰت ۔ ع ۴) — اور ہم نے ان دونوں کو اور ان کی قوم کو بڑے بھاری کرب سے نجات دی۔

پیمبروں کی زندگی پھولوں کی سیج نہیں ہوتی۔ انہیں سخت امتحانوں سے گزرنا ہوتا ہے۔ حضرت ابراہیمؑ کو ذبح فرزند تک کا حکم اشارۃً ملا تھا۔ اس پر ارشاد ہوا ہے۔

(۲۰) اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْبَلٰٓؤُا الْمُبِيْنُ۔ (الصّٰفّٰت ۔ ع ۳) — بے شک یہ بڑا سخت امتحان تھا۔

حضرت موسیٰؑ کی زبان میں کوئی گرہ تھی، جس سے آپؑ تقریر وضاحت اور روانی کے ساتھ نہیں کر سکتے تھے۔ آپؑ نے دعا اس نقص سے نجات پانے کی کی۔ اور فرائض رسالت میں آسانی پیدا ہونے کی کی ہے۔

(۲۱) قَالَ رَبِّ اشْرَحْ لِيْ صَدْرِيْ وَيَسِّرْ لِيْٓ اَمْرِيْ وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِّنْ لِّسَانِيْ۔ (طٰهٰ ۔ ع ۲) — عرض کی اے میرے پروردگار مجھے شرح صدر عطا کر اور میرا کام آسان کر دے۔ اور میری زبان کی گرہ کھول دے۔

اور آپؑ کا اپنی ان طبعی کوتاہیوں کو پیش کرنے کا ذکر دوسری جگہ بھی قرآن مجید میں ہے۔

(۲۲) وَيَضِيْقُ صَدْرِيْ وَلَا يَنْطَلِقُ لِسَانِيْ۔ (الشعراء ۔ ع ۲) — اور میرا دل تنگ ہونے لگتا ہے اور میری زبان نہیں چل پاتی۔

ضمناً اس حقیقت پر بھی روشنی پڑ گئی کہ اس قسم کی طبعی کوتاہیاں یا مریضانہ کیفیتیں کوئی بھی منصب رسالت میں حائل نہیں ہو سکتیں۔

دوسرے انسانوں کی طرح، پیمبروں پر بھی جانوروں تک کا قابو چل جاتا ہے۔ یہاں تک کہ ایک پیمبر برحق حضرت یونسؑ کو ایک بہت بڑی مچھلی اپنے پیٹ میں نگل گئی۔

(۲۳) فَالْتَقَمَهُ الْحُوْتُ وَهُوَ مُلِيْمٌ۔ (الصّٰفّٰت۔ ع ۵) — پھر ان کو مچھلی نے نگل لیا اور وہ اپنے کو ملامت کر رہے تھے۔

اور جب قابو جانوروں تک کا ان پر چل سکتا ہے تو دوسرے انسانوں کا تو ہر تصرّف ظاہر ہے کہ ان کے ان پر بہ درجۂ اولیٰ چل ہی سکتا ہے۔ چنانچہ حضرت یونسؑ کو بھی کشتی والوں نے مجرم قرار دے کر اور انہیں بے بس پاکر دریا میں پھینک دیا۔

(۲۴) وَاِنَّ يُوْنُسَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ اِذْ اَبَقَ اِلَى الْفُلْكِ الْمَشْحُوْنِ فَسَاهَمَ فَكَانَ مِنَ الْمُدْحَضِيْنَ۔ (ایضًا) — یونس بے شک پیمبروں میں سے تھے۔ جبکہ وہ بھاگ کر بھری ہوئی کشتی کے پاس پہنچے۔ پھر یہ شریک قرعہ ہوئے اور یہی ملزم ٹھہرے۔

پیمبروں کو سختیاں بڑی بڑی اٹھانا پڑتی ہیں۔ منکروں کی طرف سے اُن پر طرح طرح کی زیادتیاں ہوتی رہتی ہیں۔ اور انہیں اپنے صبر و تحمل کا پورا امتحان دینا ہوتا ہے۔ انبیاء سابقین نے منکروں سے مخاطب ہو کر کہا ہے۔

(۲۵) وَلَنَصْبِرَنَّ عَلٰى مَآ اٰذَيْتُمُوْنَا۔ (ابراہیم۔ ع ۲) — اور تم نے ہم کو جو اذیتیں پہنچائی ہیں، ان پر ہم صبر ہی سے کام لیں گے۔

پچھلی لغزشیں اگر کچھ ہوں، تو منصب نبوت پر سرفرازی سے مانع اور اس میں حائل نہیں ہوتیں۔ حضرت موسیٰؑ کو آپؐ کی تبلیغ کے جواب میں جب فرعونیوں نے خون ناحق کر ڈالنے کا طعنہ دیا ہے۔ تو آپؐ نے جواب میں فرمایا،

(۲۶) فَعَلْتُهَآ اِذًا وَّاَنَا مِنَ الضَّآلِّيْنَ فَفَرَرْتُ مِنْكُمْ لَمَّا خِفْتُكُمْ فَوَهَبَ — میں اس وقت یہ حرکت کر بیٹھا، جب میں غلطی کرنے والوں میں تھا۔ تو جب مجھے تم سے خوف

لِیْ رَبِّیْ حُکْمًا وَّجَعَلَنِیْ مِنَ الْمُرْسَلِیْنَ۔ (الشعراء ۔ ع ۲)

آیا، تو میں تمہارے ہاں سے مفرور ہو گیا۔ پھر مجھ کو میرے پروردگار نے حکمت عطا فرمائی اور مجھے پیمبروں میں شامل کر دیا۔

پیمبروں کے لئے یہ ضروری نہیں کہ وہ چپکے سے نکل جائیں اور دشمنوں کو کانوں کان خبر نہ ہونے پائے۔ دشمن ان کا پیچھا کرنے پر پوری طرح قادر رہتے ہیں۔

(۲۷) وَاَوْحَیْنَآ اِلٰی مُوْسٰٓی اَنْ اَسْرِ بِعِبَادِیْٓ اِنَّکُمْ مُّتَّبَعُوْنَ۔ (الشعراء ۔ ع ۴)

ہم نے موسیٰ پر وحی کی، کہ میرے بندوں کو لے کر راتوں رات نکل جاؤ۔ بے شک تمہارا پیچھا بھی کیا جائے گا۔

پیمبروں پر رسوا کن، توہین انگیز الزام لگ سکتے ہیں۔ جن سے انہیں طبعاً تکلیف ہوتی ہے۔ تفصیل میں گئے ہوئے بغیر، حضرت موسیٰؑ کے ذکر میں ہے۔

(۲۸) لَا تَکُوْنُوْا کَالَّذِیْنَ اٰذَوْا مُوْسٰی فَبَرَّاَہُ اللّٰہُ مِمَّا قَالُوْا۔ (الاحزاب ۔ ع ۹)

ان لوگوں کی طرح نہ ہو جاؤ جنہوں نے موسیٰ کو اذیت دی۔ پھر انہوں نے جو کچھ کہا تھا اللہ نے اس سے موسیٰ کی صفائی پیش کر دی۔

پیمبروں کو بعض دفعہ مخالفین کے مقابلے میں اس درجہ عاجز و درماندہ ہو جانا پڑتا ہے کہ بالآخر اللہ ہی سے فریاد اور طلب نصرت کرنا پڑتی ہے۔ حضرت نوحؑ نے آخر عاجز آکر دعا کی۔

(۲۹) اَنِّیْ مَغْلُوْبٌ فَانْتَصِرْ۔ (القمر ۔ ع ۱)

میں درماندہ ہوں، سو تو ہی انتقام لے۔

پیمبر کے لئے علمی استعداد اور علوم و فنون میں قابلیت بالکل ہی ضروری نہیں۔ ہمارے رسول مقبولؐ کو مخاطب کر کے ارشاد ہوا ہے۔

(۳۰) مَا کُنْتَ تَتْلُوْا مِنْ قَبْلِہٖ مِنْ

آپ اس (کتاب) سے پہلے نہ تو کوئی کتاب پڑھے

كِتَابٍ وَّلَا تَخُطُّهٗ بِيَمِيْنِكَ ۔ (العنکبوت ۔ ع ۵) — ہوئے تھے، اور نہ کوئی کتاب اپنے ہاتھ سے لکھ سکتے تھے۔

پیمبر حسن نسوانی سے متاثر ہو سکتے ہیں کہ یہ بھی ایک بشری تاثر ہے اور یہ طبعی تاثر ذرا بھی فارجِ مرتبۂ نبوت نہیں۔ رسول اعظمؐ تک کو مخاطب کرکے ارشاد ہوتا ہے،

(۳۱) لَا يَحِلُّ لَكَ النِّسَآءُ مِنْۢ بَعْدُ وَلَآ اَنْ تَبَدَّلَ بِهِنَّ مِنْ اَزْوَاجٍ وَّلَوْ اَعْجَبَكَ حُسْنُهُنَّ ۔ (الاحزاب ۔ ع ۶) — ان کے علاوہ اور عورتیں آپ کے لئے جائز نہیں اور نہ یہ جائز ہے کہ آپ ان بیبیوں کی جگہ دوسری بیبیاں کرلیں، اگرچہ آپ کو ان کا حسن بھلا معلوم ہو۔

منکروں کی ضد اور ہٹ دھرمی دیکھ کر رسولؐ کا قلب شدید اذیت قبول کرتا ہے۔ آپؐ کو ایسے موقع پر صبر و سکون کی تلقین ہوئی۔ اور بار بار ہوئی۔ کہیں یوں ارشاد ہوا۔

(۳۲) فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ اِنْ لَّمْ يُؤْمِنُوْا بِهٰذَا الْحَدِيْثِ اَسَفًا ۔ (الکہف ۔ ع ۱) — تو شاید آپ ان کے پیچھے۔ اگر یہ لوگ اس مضمون پر ایمان نہ لائے۔ غم سے اپنی جان ہی ہلاک کر دیں گے۔

اور کہیں اس سے ملتا ہوا یوں کہ

(۳۳) فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ اَلَّا يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ ۔ (الشعراء ۔ ع ۱) — تو آپ شاید اس پر، کہ یہ لوگ ایمان نہیں لاتے اپنی جان ہی ہلاک کر دیں گے۔

اور کہیں تبدیل عبارت کے ساتھ یوں کہ

(۳۴) فَلَا تَذْهَبْ نَفْسُكَ عَلَيْهِمْ حَسَرَاتٍ ۔ (الفاطر ۔ ع ۲) — تو ان پر تاسف کر کر کے کہیں آپ کی جان ہی نہ جاتی رہے۔

حزن کی ممانعت کہیں صاف صاف بھی ہوئی ہے۔

(۳۵) وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَلَا تَكُنْ — آپ ان پر غم نہ کیجئے۔ اور جو کچھ شرارتیں یہ کر رہے

فِیْ ضَیْقٍ مِّمَّا یَمْکُرُوْنَ۔ (النمل۔ ع ۶) | ہیں۔ اس سے تنگ نہ ہوجیے۔

صبر کی تاکید اس سلسلے میں بار بار آپؐ کو ہوتی ہے۔ کہیں صرف یوں۔

(۳۶) فَاصْبِرْ عَلٰی مَا یَقُوْلُوْنَ۔ (طٰہٰ۔ ع ۶) | جو کچھ یہ کہہ رہے ہیں، اس پر صبر سے کام لیجئے۔

اور کہیں ان الفاظ میں۔

(۳۷) وَاصْبِرْ عَلٰی مَا یَقُوْلُوْنَ وَاهْجُرْهُمْ هَجْرًا جَمِیْلًا۔ (المزمل، ع ۱) | جو کچھ یہ کہتے ہیں اس پر صبر کیجئے اور خوبصورتی سے ان سے الگ ہوجایئے۔

اور کہیں انداز بیان یہ ہے کہ اللہ کے وعدے بہرحال پورے ہوکر ہی رہیں گے، آپؐ صبر سے کام لیتے رہیے۔

(۳۸) فَاصْبِرْ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ۔ (المومن۔ ع ۸) | آپ صبر سے کام لیتے رہیئے، بے شک اللہ کا وعدہ برحق ہے۔

(۳۹) فَاصْبِرْ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّلَا یَسْتَخِفَّنَّكَ الَّذِیْنَ لَا یُوْقِنُوْنَ۔ (الروم۔ ع ۶) | آپ صبر سے کام لیتے رہئے، بیشک اللہ کا وعدہ برحق ہے اور یہ بے یقین لوگ آپ کو بے برداشت نہ کرنے پائیں۔

معاندین منکرین کے دلآزار رویّہ سے آپ کے قلب کو اذیت پہنچنا، امر طبعی تھا، صبر کی فہمائش آپؐ کو اس موقع پر بھی ہوئی ہے۔

(۴۰) فَاصْبِرْ عَلٰی مَا یَقُوْلُوْنَ۔ (قٓ۔ ع ۳) | یہ لوگ جو کچھ کہتے رہتے ہیں، آپ اس پر صبر کرتے رہیئے۔

مخالفین و معاندین ہی نہیں، مطیعوں، رفیقوں کی بھی بے تمیزیوں سے اذیت محسوس ہونا، ہر بشر کی طرح، آپؐ کے لئے بھی امر طبعی تھا۔ قرآن مجید میں اس کی شہادتیں موجود ہیں۔ مثلاً

(۴۱) وَمَا كَانَ لَكُمْ اَنْ تُؤْذُوْا رَسُوْلَ اللّٰهِ۔ (الاحزاب-ع ۷)

تمہارے لئے (یہ کسی طرح) درست نہیں کہ تم اللہ کے رسول کو دُکھ پہنچاؤ۔

حجاب ولحاظ یا مروّت، ہر شریف معاشرہ میں ایک امر طبعی ہے، اور آپؐ بھی اس کے حصّہ دار تھے۔ بعض مجلسی بدلحاظیاں طبع مبارک پر گراں گزرتی تھیں، لیکن مُروّت سے آپؐ زبان پر نہیں لاتے تھے۔

(۴۲) اِنَّ ذٰلِكُمْ كَانَ يُؤْذِى النَّبِىَّ فَيَسْتَحْىٖ مِنْكُمْ۔ (ایضًا)

اس بات سے (کہ تم نبی کے ہاں کھانے کے بعد بھی برابر بیٹھے رہتے ہو) نبی کو ناگواری ہوتی ہے۔ لیکن وہ تمہارا لحاظ کرتے ہیں۔

منکروں کی فلاح دنیوی کو دیکھ کر مومنین صادقین کا حیرت میں پڑ جانا قدرتی تھا۔ رسوؐل کا قلب بھی بہرحال بشری قلب ہوتا ہے۔ فہمائش وہدایت کی ضرورت اس باب میں رسولؐ تک کے لئے ہوئی۔

(۴۳) وَلَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ اِلٰى مَا مَتَّعْنَا بِهٖۤ اَزْوَاجًا مِّنْهُمْ زَهْرَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا لِنَفْتِنَهُمْ فِيْهِ وَرِزْقُ رَبِّكَ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى۔ (طٰہٰ-ع ۸)

اور آپ ہرگز آنکھ اٹھا کر بھی وہ (ساز وساماں) نہ دیکھئے جس سے ہم نے (منکروں کے) مختلف گروہوں کو بہرہ ور کر رکھا ہے اُن کی آزمائش کے لئے وہ دنیوی زندگی کی رونق ہے اور آپ کے پروردگار کا عطیہ بدرجہا بہتر ہے اور پائدار۔

پاس قرابت وعزیزداری کے تعلقات کے لحاظ رکھنے کی توقع فطرت بشری میں داخل ہے اور پیمبر کی فطرت اس سے مستثنٰی نہیں ہوتی۔ آپ کو حکم ملتا ہے کہ

(۴۴) قُلْ لَّاۤ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِى الْقُرْبٰى۔ (الشوریٰ-ع ۳)

آپؐ (ان منکروں سے) کہہ دیجئے کہ اس (تبلیغ رسالت) پر تم سے کچھ بھی معاوضہ نہیں چاہتا، ہاں رشتہ داری کی محبت (کی توقع رکھتا ہوں)۔

پیمبروں کی خانگی، ازدواجی زندگی ایسی ہی ہوتی ہے جیسی دوسرے انسان کی ہوتی ہے۔ ہمارے حضورؐ نے اپنی ایک بی بی صاحبہ سے کوئی بات بہ طور راز کے فرمائی۔ انہوں نے کسی دوسری پر ظاہر کر دی۔ آپؐ کو وحی الٰہی سے اس کا علم ہو گیا۔ آپؐ نے اس کے ایک ٹکڑے کا ان بی بی صاحبہ سے ذکر فرمایا۔ اس پر انہیں حیرت ہوئی، کہ آپؐ غیب داں تو ہیں نہیں، پھر یہ خبر آپؐ کو ہوئی تو کیسے۔ آپؐ نے جواب میں یہ کہہ کر ان کی تسکین کر دی، کہ مجھے اس سے مطلع اللہ تعالٰی نے کیا۔

(۴۵) وَاِذْ اَسَرَّ النَّبِیُّ اِلٰی بَعْضِ اَزْوَاجِهٖ حَدِیْثًا فَلَمَّا نَبَّاَتْ بِهٖ وَ اَظْهَرَهُ اللّٰهُ عَلَیْهِ عَرَّفَ بَعْضَهٗ وَاَعْرَضَ عَنْۢ بَعْضٍ فَلَمَّا نَبَّاَهَا بِهٖ قَالَتْ مَنْ اَنْۢبَاَكَ هٰذَا قَالَ نَبَّاَنِیَ الْعَلِیْمُ الْخَبِیْرُ۔ (التحریم۔ ع ۱)

اور جب پیمبر نے اپنی کسی بی بی سے ایک بات بطور سرگوشی فرمائی۔ پھر جب ان بی بی نے وہ بات (کسی اور کو) بتلا دی۔ اور پیمبر کو اللہ نے اس کی خبر کر دی۔ تو پیمبر نے کچھ بات تو جتلا دی اور کچھ ٹال دی۔ سو جب پیمبر نے ان بی بی کو وہ بات جتلائی تو وہ بولیں کہ آپ کو اس کی خبر کس نے کی؟ آپ نے فرمایا کہ مجھے خبر دی خدائے علیم و خبیر نے۔

اور جب یہ صورت سید المرسلین و سرور انبیاؐ کے ساتھ پیش آ گئی، تو دوسرے پیمبروں کی خانگی و ازدواجی زندگیوں میں تو اس کے امکانات کہیں زائد ہی رہے ہیں۔

ہنسی جس طرح ہر بشر کو آتی ہے، پیمبر کو آسکتی اور آتی ہے۔ ہنسی وقار نبوت کے منافی نہیں۔ حضرت سلیمانؑ کے ذکر میں آتا ہے۔

(۴۶) فَتَبَسَّمَ ضَاحِكًا مِّنْ قَوْلِهَا۔ (النمل۔ ع ۲)

آپؑ ان کی اس بات پر مسکراتے ہوئے ہنس پڑے۔

ذکر محض تبسّم کا نہیں، صراحت "ضحک" کی بھی ہے۔

پیمبر کی زندگی، یہ نہیں ہوتا کہ شروع سے آخر تک پھولوں کی سیج پر بسر ہوتی ہو۔

قبل نبوّت بھی طرح طرح کی شدید منزلوں سے گزرنا ہوتا ہے۔ سرورِ انبیاءؐ کو مخاطب کر کے ارشاد ہوا ہے۔

(۴۷) اَلَمْ یَجِدْكَ یَتِیْمًا فَاٰوٰی وَوَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدٰی وَوَجَدَكَ عَآئِلًا فَاَغْنٰی۔ (الضحٰی)	کیا اللہ نے آپ کو یتیم نہیں پایا پھر آپ کو ٹھکانہ دیا۔ اور اللہ نے آپ کو بے خبر پایا۔ پھر راستہ بتایا۔ اور اللہ نے آپ کو نادار پایا پھر (آپ کو) مالدار کیا۔

سرورِ انبیاءؐ ہی کو مخاطب کر کے یہ بھی ارشاد ہوا ہے کہ کیسے شدید و ثقیل بار سے آپؐ گرانبار ہو رہے تھے، کہ افضالِ الٰہی نے اس سے بھی آپؐ کو سبکدوش کیا۔

(۴۸) وَوَضَعْنَا عَنْكَ وِزْرَكَ الَّذِیْٓ اَنْقَضَ ظَهْرَكَ۔ (الانشراح)	اور ہم نے آپؐ سے آپؐ کا وہ بوجھ اُتار دیا، جس نے آپ کی کمر توڑ رکھی تھی۔

باب (۱۰)

ازواج، اولاد و طلب اولاد

انبیاء علیہم السلام عموماً مجرّد اور لاولد نہیں گزرے ہیں۔ یہ نہیں ہوا ہے کہ اہل و عیال و خاندان کے جنجال سے اکثر و بالعموم آزاد رہے ہوں عام قاعدہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے یہ بیان ہوا ہے کہ۔

(۱) وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّنْ قَبْلِكَ وَجَعَلْنَا لَهُمْ اَزْوَاجًا وَّ ذُرِّيَّةً ۔ (الرعد ۔ ع ۶)

اور بالیقین ہم نے آپ سے قبل رسول بھیجے ہیں اور ان کے لئے بیبیاں بھی رکھیں اور اولاد بھی۔

اور ہمارے حضورؐ کی تو ایک نہیں، متعدد ازواج مبارک تھیں۔ اور ان کا ذکر صیغۂ جمع میں بار بار آیا ہے۔ کہیں لفظ 'ازواج' سے کہیں لفظ 'نساء' سے۔

(۲) يَاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ (الاحزاب ۔ ع ۴)

اے پیمبر اپنی بیبیوں سے کہہ دیجئے۔

(۳) يَاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّآ اَحْلَلْنَا لَكَ اَزْوَاجَكَ ۔ (الاحزاب ۔ ع ۵)

اے پیمبر، ہم نے آپ پر جائز کر دی ہیں۔ آپ کی بیبیاں۔

(۴) يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ لَسْتُنَّ كَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ ۔ (الاحزاب ۔ ع ۴)

اے پیمبر کی بیبیو، تم دوسری عورتوں کی طرح نہیں ہو۔

(۵) يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ مَنْ يَّاْتِ مِنْكُنَّ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ ۔ (الاحزاب ۔ ع ۴)

اے پیمبر کی بیبیو، تم میں سے جو کوئی کھلی ہوئی بے حیائی کا مرتکب ہو گا۔ الخ

ان سب آیتوں سے رسول اللہ کی بیبیوں کا تعدد یا کئی کئی ہونا بہر حال ثابت ہوگیا۔ اور حضور کا صاحبِ اولاد ہونا بھی قرآن مجید سے ثابت ہے۔ پہلے تو بالواسطہ اور ایک سلبی طریقہ پر، وہ یوں کہ جب عرب جاہلی نے اپنے مذاق کے مطابق آپ کو طعنہ لاولدی کا دیا، تو جواب میں الٹ کر انہیں طعنہ زنوں کے حق میں، حضور کو مخاطب کر کے ارشاد ہوا کہ (آپ تو نہیں، ہاں)

(۶) اِنَّ شَانِئَكَ هُوَالْاَبْتَرُ۔ (الکوثر) — آپ کا دشمن ہی بے نشان رہ جانے والا ہے۔

اور ایک دوسری آیت روشنی پر ڈالتی ہے کہ زندہ رہنے والی آپ کی اولاد ذکور نہیں، اولاد اناث ہوگی، صاحبزادے نہیں، صاحبزادیاں ہونگی۔ ارشاد ہوا ہے کہ

(۷) مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ۔ (الاحزاب۔ ع ۵) — محمد تم میں سے، مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں۔

یعنی آپ والد ماجد عورتوں یا صاحب زادیوں کے ہیں۔ پھر ایک آیت میں ذکر صاحب زادیوں کا بہ صیغۂ جمع آیا ہے۔ جس سے ظاہر ہو جاتا ہے کہ صاحب زادیاں ایک نہیں، کم سے کم تین تھیں (کہ عربی میں صیغۂ جمع کا اطلاق کم سے کم تین کے عدد پر ہوتا ہے)

(۸) يَاۤاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ وَبَنَاتِكَ۔ (الاحزاب۔ ع ۸) — اے پیمبر آپ اپنی بیبیوں اور اپنی بیٹیوں سے کہہ دیجئے۔

ایک اور آیت سے یہ حقیقت بھی سامنے آجاتی ہے کہ حضور کے اہل و عیال کا ایک مستقل خاندان تھا۔ جس میں عورتیں اور لڑکے متعدد تھے۔

(۹) قُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ اَبْنَآءَنَا وَاَبْنَآءَكُمْ وَنِسَآءَنَا وَنِسَآءَكُمْ۔ (آل عمران۔ ع ۶) — آپ (ان کافروں سے) کہہ دیجئے کہ اچھا آؤ ہم بلائیں اپنے لڑکوں کو اور تمہارے لڑکوں کو اپنی عورتوں کو اور تمہاری عورتوں کو۔

لفظ 'ابناء' یہاں جس سیاق میں آیا ہے۔ اس سے مراد صلبی بیٹے نہیں بلکہ رشتے ناتے کے لڑکے (نواسے وغیرہ) ہیں، جن پر مجازاً اپنی ہی اولاد کا اطلاق ہوتا ہے۔ غرض ایک مستقل خاندان تھا۔ جس پر اطلاق اہل البیت کا ہوتا ہے گو اصلاً اس سے مراد ازواج مبارک ہی ہیں۔

(۱۰) اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ۔ — اللہ تو بس یہ چاہتا ہے کہ اے گھر والو، تم سے آلودگی کو (بالکل) دور رکھے۔

(الاحزاب، ع ۴)

یہ نیک اور پاک بیبیاں اگرچہ بشریت کے تقاضوں سے بری اور مستثنا نہیں اور احتمالات و امکانات جو سب کے لئے ہوتے ہیں ان کے لئے بھی تھے۔ چنانچہ ان کو مخاطب کر کے وعید سنا دی گئی تھی۔

(۱۱) مَنْ يَّاْتِ مِنْكُنَّ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ يُّضٰعَفْ لَهَا الْعَذَابُ ضِعْفَيْنِ وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرًا۔ — تم میں سے جو کوئی کھلی ہوئی بے ہودگی کرے گی اس کو سزا بھی دوگنی دی جائے گی۔ اور یہ اللہ کے لئے (بالکل) آسان ہے۔

(الاحزاب۔ ع ۴)

لیکن ان کا مرتبہ بشرط تقویٰ کے ساتھ، دنیا جہاں کی عورتوں سے بالاتر تھا۔

(۱۲) لَسْتُنَّ كَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَاۗءِ اِنِ اتَّقَيْتُنَّ۔ (الاحزاب۔ ع ۴) — تم دوسری عورتوں کی طرح نہیں ہو۔ اگر تم تقویٰ پر قائم رہو۔

اور ان کو ہدایتیں ایسی ملیں جو ان کی سطح اخلاق کو بلند کرنے والی اور ایک پیمبر کے گھرانے کے شایان شان تھیں۔ اور ان کے لئے زندگی کا جو نقشہ تیار ہوا، وہ تمام تر طہارت و پاکیزگی کا تھا۔

(۱۳) فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ فَيَطْمَعَ — تو تم بولنے میں نزاکت مت کرو، جس سے ایسے

۱۳ الَّذِیْ فِیْ قَلْبِہٖ مَرَضٌ وَّقُلْنَ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا۔ وَقَرْنَ فِیْ بُیُوْتِکُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاھِلِیَّۃِ الْاُوْلٰی وَاَقِمْنَ الصَّلٰوۃَ وَاٰتِیْنَ الزَّکٰوۃَ وَاَطِعْنَ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰہُ لِیُذْھِبَ عَنْکُمُ الرِّجْسَ اَھْلَ الْبَیْتِ وَیُطَھِّرَکُمْ تَطْھِیْرًا۔ (الاحزاب۔ ع۴)

شخص کو (بُرا) خیال ہونے لگتا ہے، جس کے قلب میں خرابی ہے۔ اور بات قاعدہ کے موافق کہو۔ اور اپنے گھروں کے اندر قرار سے رہو اور زمانہ جاہلیت قدیم کے مطابق اپنے کو دکھاتی نہ پھرو۔ اور نماز کی پابندی رکھو اور زکوٰۃ دیتی رہو اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو۔ اللہ تو بس یہی چاہتا ہے کہ اے (پیمبر کے) گھر والو تم سے آلودگی کو دور رکھے اور تم کو خوب ہی پاک صاف کردے۔

ان بیوی صاحبان کا امتحان بھی ان کے مرتبہ کے لائق اور دنیا کے عام معیار سے سخت لیا گیا۔ اور انہیں اختیار دیا گیا۔ کہ یا تو دنیوی خوشحالی کی زندگی کا انتخاب کریں، اور یا رسولؐ کی صحبت و زوجیت کو۔

۱۴ اِنْ کُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَیٰوۃَ الدُّنْیَا وَزِیْنَتَھَا فَتَعَالَیْنَ اُمَتِّعْکُنَّ وَاُسَرِّحْکُنَّ سَرَاحًا جَمِیْلًا۔ (ایضاً)

اگر تم دنیوی زندگی اور اس کی بہار چاہتی ہو تو آؤ میں تمہیں کچھ دے دلا دوں اور خوش اسلوبی کے ساتھ رخصت کردوں۔

اور چونکہ ان میں سے کسی نے بھی پہلی شق کو اختیار کرکے رسولؐ کی زوجیت کو نہ چھوڑا نتیجہ خود بخود یہ نکل آیا کہ وہ تقویٰ اور دنیا سے بے رغبتی کے اعلیٰ معیار پر قائم رہیں۔

ان سب آیتوں سے ثبوت حضورؐ کی متعدد ازواج اور خاندان کے وجود کا ملا۔ اور ایسا ہی ثبوت ابوالانبیاء حضرت ابراہیم خلیلؑ کی ازدواجی زندگی کا ملتا ہے۔ آپؑ کی ایک بیوی صاحبہ تو بہرحال تھیں جو پیرانہ سالی کی حد تک پہنچ چکی تھیں اور اب تک اولاد کی نعمت سے محروم تھیں۔ چنانچہ جب فرشتوں نے آکر اس کی خوشخبری سنائی ہے تو انہوں نے اس

کو کمال حیرت سے سُنا۔

⑮ فَاَقْبَلَتِ امْرَاَتُهٗ فِیْ صَرَّةٍ فَصَكَّتْ وَجْهَهَا وَقَالَتْ عَجُوْزٌ عَقِیْمٌ۔ (الذاریات۔ع ۲)	اتنے میں آپؑ کی بیوی بولتی پکارتی ہوئی آگئیں اور اپنے ماتھے پر (انہوں نے) ہاتھ مارا، اور بولیں (میں) بوڑھی بانجھ !

اور ایک دوسری جگہ یہ مضمون اور تفصیل و تصریح کے ساتھ آیا ہے۔

⑯ وَامْرَاَتُهٗ قَآئِمَةٌ فَضَحِكَتْ فَبَشَّرْنٰهَا بِاِسْحٰقَ وَمِنْ وَّرَآءِ اِسْحٰقَ یَعْقُوْبَ۔ قَالَتْ یٰوَیْلَتٰۤى ءَاَلِدُ وَاَنَا عَجُوْزٌ وَّهٰذَا بَعْلِیْ شَیْخًا اِنَّ هٰذَا لَشَیْءٌ عَجِیْبٌ قَالُوْۤا اَتَعْجَبِیْنَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ۔ (ہود۔ع ۷)	اور (وہیں) ابراہیم کی بی بی کھڑی ہوئی تھیں تو وہ ہنس دیں پھر ہم نے ان کو بشارت دی اسحٰق کی، اور اسحٰق سے پیچھے یعقوب کی۔ وہ بولیں کہ ہائے خاک پڑے کیا میں اب بچہ جنوں گی بوڑھی ہو کر، اور یہ میرے میاں ہیں بالکل بوڑھے۔ یہ تو بڑے ہی اچنبھے کی بات ہے ! (فرشتے) بولے کیا تم کو اچنبھا اللہ میاں کے کاموں پر ہوتا ہے ؟

اس کے بعد جب فرشتوں نے ان سے پھر خطاب کیا ہے۔ تو وہی لفظ اہل بیتؑ استعمال کیا ہے جو حضورؐ کے خاندان کے سلسلے میں ابھی اوپر گزر چکا ہے۔

⑰ رَحْمَتُ اللّٰهِ وَبَرَكٰتُهٗ عَلَیْكُمْ اَهْلَ الْبَیْتِ۔ (ایضًا)	اللہ کی رحمت اور اس کی برکتیں ہیں اے (ابراہیم کے) گھر والو، تمہارے اوپر۔

گویا آپ کا بھی مستقل خاندان موجود تھا۔ اور آپ کے دو صاحبزادوں اسمٰعیلؑ و اسحٰقؑ کا ذکر تو قرآن مجید میں صراحت کے ساتھ بار بار آیا ہے خود حضرت ابراہیمؑ کی زبان سے ہے۔

⑱ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ وَهَبَ لِیْ عَلَى الْكِبَرِ اِسْمٰعِیْلَ وَاِسْحٰقَ۔ (ابراہیم۔ع ۶)	ساری حمد اللہ کے لئے ہے جس نے مجھے (اس) کبر سنی میں (دو فرزند) اسمٰعیلؑ و اسحٰقؑ عطا کئے۔

اور یہی ذکر ایک دوسری آیت میں۔

(۱۹) وَوَهَبْنَا لَهٗ اِسْحٰقَ وَیَعْقُوْبَ ۔ — اور ہم نے انہیں اسحٰق اور یعقوب عطا کئے۔

(مریم ۔ ع ۳)

اور پھر تیسری اور چوتھی جگہ۔

(۲۰) وَوَهَبْنَا لَهٗ اِسْحٰقَ وَیَعْقُوْبَ نَافِلَةً ۔ (الانبیاء ۔ ع ۵) — اور ہم نے انہیں اسحٰق اور یعقوب پوتا عطا کیا۔

(۲۱) وَوَهَبْنَا لَهٗ اِسْحٰقَ وَیَعْقُوْبَ ۔ — اور ہم نے انہیں اسحٰق اور یعقوب عطا کئے۔

(العنکبوت ۔ ع ۳)

اور پانچویں جگہ اسی مضمون کا مختصر اعادہ۔

(۲۲) وَبَشَّرْنٰهُ بِاِسْحٰقَ نَبِیًّا مِّنَ الصّٰلِحِیْنَ ۔ (الصافات ۔ ع ۳) — اور ہم نے ابراہیمؑ کو بشارت دی اسحٰق کی کہ وہ نبی اور نیک بندوں میں ہوں گے۔

اور اسی طرح اسمٰعیلؑ کا آپؑ کی اولاد میں ہونا بھی بیان ہوا ہے۔

(۲۳) فَبَشَّرْنٰهُ بِغُلٰمٍ حَلِیْمٍ فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْیَ قَالَ یٰبُنَیَّ اِنِّیْ اَرٰی فِی الْمَنَامِ اَنِّیْ اَذْبَحُكَ ۔ (الصافات ۔ ع ۳) — سو ہم نے ابراہیم کو بشارت دی ایک فرزند حلیم المزاج کی۔ تو جب وہ لڑکا اس عمر کو پہنچا کہ ابراہیم کے ساتھ دوڑنے پھرنے لگے۔ تو وہ بولے کہ اے بیٹا میں نے خواب میں دیکھا کہ میں تم کو ذبح کر رہا ہوں۔

اور پھر ایک جگہ فرزندان یعقوبؑ اپنے والد ماجد کو ان کے بستر مرگ پر مخاطب کر کے کہتے ہیں۔

(۲۴) نَعْبُدُ اِلٰهَكَ وَاِلٰهَ اٰبَآئِكَ اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِیْلَ وَاِسْحٰقَ ۔ (البقرة ۔ ع ۱۶) — اور ہم اسی خدا کی پرستش کریں گے جو آپ کا خدا تھا اور آپ کے باپ دادا، ابراہیم اور اسمٰعیل اور اسحٰق کا ہے، خدائے واحد۔

حضرت اسمٰعیلؑ اور حضرت اسحٰقؑ ان دو ناموں کی تو صراحت قرآن مجید میں مل گئی۔ باقی ان کے علاوہ بھی حضرت ابراہیمؑ کی کچھ اور اولاد ضرور ہو گی۔ اس لئے کہ قرآن نے صیغۂ جمع استعمال کیا ہے۔ جس کے لئے تین کا عدد کم سے کم ہونا ضروری ہے۔

(۲۵) وَوَصّٰی بِهَآ اِبْرٰهٖمُ بَنِيْهِ وَيَعْقُوْبُ۔ (البقرۃ۔ ع ۱۶) اور اسی کا حکم دے گئے اپنے لڑکوں کو ابراہیم اور یعقوب بھی۔

اور پھر دوسری جگہ آپؑ نے دعا کی ہے۔

(۲۶) وَاجْنُبْنِيْ وَبَنِيَّ اَنْ نَّعْبُدَ الْاَصْنَامَ۔ (ابراہیم۔ ع ۶) مجھے اور میری اولاد کو بت پرستی سے بچائے رکھیو۔

(بنی، اصل میں بنین تھا، اور وہ جمع ہے۔ 'ابن' کی: حالت اضافت میں 'ن' گر گیا)۔

گویا قرآن مجید ہی سے یہ بھی واضح ہو گیا کہ حضرت ابراہیم علیہ السّلام کی اولادیں متعدد تھیں۔ حضرت اسمٰعیلؑ ہی کے ذکر میں آتا ہے۔

(۲۷) وَكَانَ يَاْمُرُ اَهْلَهٗ بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ۔ (مریم۔ ع ۴) وہ اپنے گھر والوں کو حکم دیتے رہتے تھے نماز اور زکوٰۃ کا۔

اہل سے عام طور پر مراد بی بی سے لی جاتی ہے (واعتبر باھل الرجل عن امراتہ راغب) تو آپؑ کی بی بی صاحبہ کا وجود تو بہرحال اس سے نکل آتا ہے۔ باقی اس کے اصل معنی میں وسعت و عموم ہے۔ اس لئے ترجمہ "گھر والے" اور "متعلقین" اور "اہل و عیال" بھی صحیح ہے۔ اور استدلال پورے خاندان کے وجود پر بھی اس سے ہو سکتا ہے۔

حضرت ابراہیمؑ کے سلسلے میں ذکر ان کی ذریت کا بھی آتا ہے، جو اولاد اور اولاد در اولاد، پورے سلسلۂ نسل پر حاوی ہے۔

(۲۸) قَالَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِيْ۔ (البقرۃ۔ ع ۱۵) ابراہیمؑ نے کہا، اور میری نسل بھی (اس انعام میں

حصّہ دار ہو گی) ؟

انہیں ابراہیمؑ کی زبان سے پھر ان کی ذرّیت کا ذکر ہوا ہے۔

(۲۹) رَبَّنَا اِنِّیۡ اَسۡکَنۡتُ مِنۡ ذُرِّیَّتِیۡ بِوَادٍ غَیۡرِ ذِیۡ زَرۡعٍ ۔ (ابراہیم۔ع ۶) — اے ہمارے پروردگار، میں نے بسا دیا ہے اپنی ذرّیت کو ایک بے کاشت میدان میں۔

اور دو ہی چار سطروں کے بعد ایک بار پھر۔

(۳۰) رَبِّ اجۡعَلۡنِیۡ مُقِیۡمَ الصَّلٰوۃِ وَمِنۡ ذُرِّیَّتِیۡ ۔ — اے پروردگار، نماز کا اہتمام رکھنے والا بنا دیجئے مجھ کو بھی اور میری ذرّیت میں سے بھی بعض کو۔

اور آپؑ ہی کے سلسلے میں ذریت کا لفظ دو جگہ اور بھی آیا ہے۔

(۳۱) وَجَعَلۡنَا فِیۡ ذُرِّیَّتِہِ النُّبُوَّۃَ وَالۡکِتٰبَ ۔ (العنکبوت۔ع ۳) — ہم نے قائم رکھا ان کی نسل میں نبوّت اور کتاب۔

(۳۲) وَمِنۡ ذُرِّیَّتِہٖ دَاوٗدَ وَسُلَیۡمٰنَ ۔ (الانعام۔ ع ۱۰) — اور ان کی نسل میں سے (ہدایت دی ہم نے) داؤد اور سلیمان کو۔

ایک جگہ ذرّیت ابراہیمؑ کو ذرّیت یعقوبؑ کے ساتھ ملا کر کہا ہے،

(۳۳) وَمِنۡ ذُرِّیَّۃِ اِبۡرٰہِیۡمَ وَاِسۡرَآءِیۡلَ ۔ (مریم۔ ع ۴) — اور ابراہیم اور یعقوب کی ذرّیت سے (بھی)۔

ایک قدیم جلیل القدر پیمبر حضرت نوحؑ ہوئے ہیں۔ آپؑ کی زوجۂ نافرمان کا ذکر ایک جگہ صراحت کے ساتھ ہے۔

(۳۴) ضَرَبَ اللّٰہُ مَثَلًا لِّلَّذِیۡنَ کَفَرُوا امۡرَاَتَ نُوۡحٍ وَّامۡرَاَتَ لُوۡطٍ ۔ (التحریم ع ۲) — اللہ کافروں کے واسطے حال بیان کرتا ہے نوحؑ کی بیوی اور لوطؑ کی بیوی کا۔

اور آپؑ صاحبِ اولاد بھی تھے۔ ایک نافرمان بیٹے کا ذکر صراحت کے ساتھ آتا ہے۔

(۳۵) وَنَادٰی نُوۡحُ ابۡنَہٗ وَکَانَ فِیۡ — اور نوحؑ نے اپنے فرزند کو پکارا اور وہ الگ پر

مَعْزِلٍ یّٰبُنَیَّ ارْکَبْ مَّعَنَا۔ (ہود۔ ع ۴) تھا، کہ اے میرے پیارے بیٹے ہمارے ساتھ سوار ہو جاؤ۔

اور پھر اسی بیٹے کا ذکر دو چار سطروں کے بعد۔

(۳۶) فَقَالَ رَبِّ اِنَّ ابْنِیْ مِنْ اَھْلِیْ وَاِنَّ وَعْدَکَ الْحَقُّ۔ (ہود۔ ع ۴) اور (نوحؑ نے) عرض کی کہ اے میرے پروردگار میرا لڑکا بھی تو میرے گھر والوں میں سے ہے اور تیرا وعدہ بالکل سچا ہے۔

آپؑ ہی کے سلسلے میں آپؑ کے "اہل" اور آپؑ کی "ذریت" دونوں کا ذکر آتا ہے، جس سے معلوم ہو جاتا ہے کہ آپؑ کنبے اور نسل والے تھے۔

(۳۷) وَنَجَّیْنٰہُ وَاَھْلَہٗ مِنَ الْکَرْبِ الْعَظِیْمِ وَجَعَلْنَا ذُرِّیَّتَہٗ ھُمُ الْبٰقِیْنَ۔ (الصافات۔ ع ۳) اور ہم نے ان کو اور ان کے گھر والوں کو بڑے بھاری کرب سے نجات دی۔ اور ہم نے باقی انہیں کی نسل کو رہنے دیا۔

اس سے یہاں تک معلوم ہو گیا کہ آپؑ کی نسل کا نہ صرف وجود تھا، بلکہ غرقابی سے وہی بچی رہی اور اسی سے آبادی کا سلسلہ چلا۔

بی بی کی ذات اہل میں خود ہی شامل ہے۔ اور "ابن" کا وجود اس کے وجود کو مستلزم ہے۔ تاہم قرآن مجید نے صراحت کے ساتھ بھی زوجۂ نوحؑ کا ذکر کیا ہے۔ گو وہ ذکر خیر نہ ہو۔

(۳۸) ضَرَبَ اللّٰہُ مَثَلًا لِّلَّذِیْنَ کَفَرُوْا امْرَاَتَ نُوْحٍ وَّامْرَاَتَ لُوْطٍ کَانَتَا تَحْتَ عَبْدَیْنِ مِنْ عِبَادِنَا صَالِحَیْنِ۔ (التحریم۔ ع ۲) اور اللہ کافروں کے لئے حال بیان کرتا ہے نوحؑ کی بی بی اور لوطؑ کی بی بی کا وہ دونوں ہمارے بندوں میں سے دو صالح بندوں کے نکاح میں تھیں۔

حضرت لوطؑ نبی کی بی بی، نافرمان بی بی، کا ذکر ایک جگہ تو تصریح کے ساتھ آیا ہے۔

(۳۹) اِمْرَاَتَ نُوْحٍ وَّامْرَاَتَ لُوْطٍ۔ (ایضاً) نوحؑ کی بی بی اور لوط کی بی بی۔

اور چار جگہ اور، حضرت لوطؑ ہی کے سلسلے میں ضمیر غائب کے ساتھ (وامراتہ) الحجر، ع ۴، النمل، ع ۴، الاعراف، ع ۱۰، العنکبوت، ع ۵ اور دو جگہ اور حضرت لوطؑ سے ضمیر مخاطب کے ساتھ، ہود، ع ۷، العنکبوت، ع ۴۔

حضرت لوطؑ کی بیوی کے علاوہ ذکر آپؑ کے خاندان کا، آپؑ کے، اہل، کا اور آپؑ کے آل کے لفظ سے بھی بار بار آیا ہے۔ آل لوطؑ کا ذکر ان چار مقامات پر، الحجر، ع ۴ و ع ۵، النمل، ع ۴، القمر، ع ۲۔ اور 'اھلہ' یا 'اَھْلَکَ' کے لفظ سے ان پانچ مقامات پر۔ الحجر، ع ۵، العنکبوت، ع ۴، الاعراف، ع ۱۰۔ النمل ع ۴، ہود، ع ۷۔ آپؑ کا صاحب خاندان ہونا جس میں لڑکیاں لڑکے سب آگئے۔ انہیں آیتوں سے ظاہر ہے۔ اور آپؑ کی صاحبزادیوں کا ذکر صراحت کے ساتھ ان آیتوں میں موجود ہے۔

(۴۰) قَالَ هٰٓؤُلَآءِ بَنٰتِیْٓ اِنْ كُنْتُمْ فٰعِلِیْنَ۔ (الحجر۔ ع ۵)	(لوطؑ نے اپنی قوم والوں سے) کہا کہ یہ میری بیٹیاں موجود ہیں، اگر تم میرا کہنا کرو۔
(۴۱) قَالَ یٰقَوْمِ هٰٓؤُلَآءِ بَنَاتِیْ هُنَّ اَطْهَرُ لَكُمْ۔ (ہود۔ ع ۷)	(لوطؑ نے) کہا اے میری قوم والو یہ میری بیٹیاں موجود ہیں، یہ تمہارے لئے پاکیزہ تر ہیں۔
(۴۲) قَالُوْا لَقَدْ عَلِمْتَ مَا لَنَا فِیْ بَنٰتِكَ مِنْ حَقٍّ۔ (ایضاً)	وہ لوگ بولے، آپ کو خوب معلوم ہے کہ آپ کی بیٹیاں ہمارے کام کی نہیں۔

حضرت نوحؑ اور حضرت ابراہیمؑ دونوں کی نسل کا سلسلہ چلنے اور اسی میں سے پیمبروں کے ہوتے رہنے کی شہادت بھی قرآن مجید دے رہا ہے۔

(۴۳) وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا وَّاِبْرٰهِیْمَ وَجَعَلْنَا فِیْ ذُرِّیَّتِهِمَا النُّبُوَّةَ وَالْكِتٰبَ۔ (الحدید۔ ع ۴)	اور ہم نے نوح اور ابراہیم کو پیغمبر بنا کر بھیجا اور ان دونوں کی نسل میں نبوت اور کتاب جاری رکھی۔

ذرّیت کا لفظ حضرت اسمٰعیلؑ کی زبان سے خود اپنے سلسلے میں ادا ہوا ہے اور اپنی اسی نسل سے آپؑ نے ایک پوری امّت مسلمہ کے ظہور کی دعا کی ہے۔ آپؑ اور آپ کے والد ماجد حضرت ابراہیم خلیلؑ دونوں مل کر دعا کرتے ہیں۔

(۴۴) رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَآ اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ ۔ (البقرۃ۔ ع ۱۵)

اے ہمارے پروردگار ہم دونوں کو اپنا (اور زیادہ) فرماں بردار بنالے اور ہماری نسل میں سے ایک (پوری) اُمّت اپنی فرماں بردار اٹھا،

ایک پیمبر جلیل حضرت یعقوبؑ ہوئے ہیں۔ اسرائیل انہیں کا دوسرا نام تھا۔ اور ان کی نسل، یعنی بنی اسرائیل کا ذکر قرآن مجید میں اس تفصیل و تکرار کے ساتھ آیا ہے، کہ اس سب کا نقل کرنا، ایک کھلی ہوئی حقیقت کو بلاضرورت طوالت دینا ہے۔ باقی خود لفظ یعقوبؑ کے ساتھ آپ کی اولاد کا بھی ذکر کہیں صراحۃً اور کہیں دلالۃً قرآن مجید میں موجود ہے۔

(۴۵) اِذْ قَالَ يُوْسُفُ لِاَبِيْهِ يٰٓاَبَتِ اِنِّيْ رَاَيْتُ اَحَدَ عَشَرَ كَوْكَبًا وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ رَاَيْتُهُمْ لِيْ سٰجِدِيْنَ قَالَ يٰبُنَيَّ لَا تَقْصُصْ رُءْيَاكَ عَلٰٓى اِخْوَتِكَ ۔ (یوسف۔ ع ۱)

وہ وقت قابل ذکر ہے جب یوسفؑ نے اپنے والد سے کہا، کہ اے باپ میں نے (خواب میں) گیارہ ستارے اور سورج اور چاند دیکھے ہیں دیکھتا کیا ہوں کہ وہ میرے آگے جھکے ہوئے ہیں آپؑ نے فرمایا کہ اپنے (اس) خواب کو اپنے بھائیوں کے سامنے نہ بیان کرنا۔

آیت سے نہ صرف یوسف علیہ السلام کے متعدد بھائیوں (یا حضرت یعقوبؑ کی متعدد اولادوں) کا ہونا طے پا گیا، بلکہ ان کی تعداد بھی گیارہ نکل آئی ہے دوسرے لفظوں میں حضرت یعقوبؑ کے صاحبزادے بارہ کی تعداد میں تھے۔

اور پھر چند سطروں بعد ذکر انہیں برادران یوسفؑ کا ہے۔

(۴۶) لَقَدْ كَانَ فِيْ يُوْسُفَ وَاِخْوَتِهٖٓ

بے شک یوسف اور ان کے بھائیوں (کے

اٰيٰتٌ لِّلسَّآئِلِيْنَ ۔ (یوسف ۔ ع ۲) قصے) میں (بڑی) نشانیاں موجود ہیں ۔سوال کرنے والوں کے لئے ۔

اولاد یعقوبؑ کے وجود، اور ان کی تعداد پر یہ قرآنی شہادتیں تو دلائل ملیں ۔ اب اولاد کے وجود پر شہادت صریح بھی ملاحظہ ہو۔ ایک جگہ حضرت یعقوبؑ کی زبان سے ہے۔

(۴۷) وَيُتِمُّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكَ وَعَلٰٓى اٰلِ يَعْقُوْبَ كَمَآ اَتَمَّهَا عَلٰٓى اَبَوَيْكَ مِنْ قَبْلُ ۔ (یوسف ۔ ع ۱)
(اے یوسف تمہارا رب) تم پر اپنے انعام کی تکمیل کرے گا، اور اولاد یعقوب پر (بھی) جیسا اس کے قبل تمہارے دادا پردادا پر کر چکا ہے۔

پھر حضرت زکریاؑ کی زبان سے جو دعا کرائی ہے اس میں بھی ہے

(۴۸) فَهَبْ لِيْ مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا يَّرِثُنِيْ وَيَرِثُ مِنْ اٰلِ يَعْقُوْبَ ۔ (مریم ۔ ع ۱)
(اے پروردگار) مجھے خاص اپنے پاس سے ایک ایسا وارث دیجئے جو میرا بھی وارث بنے اور اولاد یعقوب کا (بھی) وارث بنے ،

اور پھر جہاں اپنی اولاد سے وصیت توحید کا ذکر حضرت ابراہیمؑ کے لئے ہے وہیں اس کا عطف یعقوب علیہ السلام پر بھی ہے ۔

(۴۹) وَوَصّٰى بِهَآ اِبْرٰهٖمُ بَنِيْهِ وَيَعْقُوْبُ يٰبَنِيَّ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰى لَكُمُ الدِّيْنَ ۔ (البقرۃ ۔ ع ۱۶)
اسی (دین توحید) کا حکم دے رہے تھے ابراہیم اپنے بیٹوں کو اور یعقوب بھی (اپنے بیٹوں کو) کہ اے میرے بیٹو، اللہ نے اس دین کو تمہارے لئے انتخاب کر لیا ہے ۔

اس کے بعد مخصوص حضرت یعقوبؑ کے ذکر میں ہے ۔

(۵۰) اَمْ كُنْتُمْ شُهَدَآءَ اِذْ حَضَرَ يَعْقُوْبَ الْمَوْتُ اِذْ قَالَ لِبَنِيْهِ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ بَعْدِيْ ۔ (ایضاً)
کیا تم لوگ (اس وقت) موجود تھے جب حضرت یعقوب کا آخری وقت آیا، جب انہوں نے اپنے بیٹوں سے پوچھا کہ تم لوگ میرے بعد کس چیز کی پرستش کرو گے

ایک اور پیمبر جلیل، بنی اسحٰقؑ میں، حضرت ایوبؑ گزرے ہیں جن کا ذکر قرآن مجید میں بہ صراحت آیا ہے۔ آپؑ غالباً فرزندان یعقوب کے ہم عصر تھے اور آپؑ کا وطن، شہر عوض تھا ــــ عرب کے شمال و غرب میں، کنعان یا فلسطین کی مشرقی سرحد سے متصل آپؑ کے بھی کنبہ یا خاندان کا ذکر قرآن مجید میں موجود ہے۔

(۵۱) وَوَهَبْنَا لَهُ أَهْلَهُ وَمِثْلَهُمْ مَعَهُمْ رَحْمَةً مِنَّا وَذِكْرَىٰ لِأُولِي الْأَلْبَابِ۔ (ص ـ ع ۴)	اور ہم نے انہیں ان کا کنبہ (دوبارہ) عطا فرمادیا اور ان کے ساتھ ان کے برابر اور بھی اپنی رحمت (خاصّہ) سے، اور اہل دانش میں یادگار رہ جانے کے لئے۔

اور اسی مضمون کو خفیف لفظی فرق کے ساتھ پھر دُہرایا ہے۔

(۵۲) وَآتَيْنَاهُ أَهْلَهُ وَمِثْلَهُمْ مَعَهُمْ رَحْمَةً مِنْ عِنْدِنَا وَذِكْرَىٰ لِلْعَابِدِينَ۔ (الانبیاء ـ ع ۶)	اور ہم نے انہیں ان کا کنبہ (دوبارہ) عطا فرمادیا اور ان کے ساتھ ان کے برابر اور بھی اپنی رحمت (خاصّہ) سے اور عبادت گزاروں میں یادگار رہ جانے کے لئے۔

حضرت داؤد نبیؑ کے سلسلے میں آپؑ کی نسل کا ذکر صیغۂ خطاب میں آتا ہے۔

(۵۳) اِعْمَلُوا آلَ دَاوُودَ شُكْرًا۔ (السبا ـ ع ۲)	اے داؤد کی نسل والو، تم شکریہ میں (نیک) عمل کرو۔

اور اسی سے ظاہر ہے کہ اگر آپؑ کی ازواج (بہ صیغۂ جمع) نہیں تو کم سے کم ایک بی بی تو ضرور رہی ہوں گی۔ اور آپؑ کے ایک فرزند کے نام کی بھی تصریح موجود ہے۔

(۵۴) وَوَهَبْنَا لِدَاوُودَ سُلَيْمَانَ۔ (ص ـ ع ۳)	اور ہم نے داؤد کو سلیمان عطا کیا۔

حضرت موسٰیؑ و حضرت ہارونؑ، پیمبران عالی مقام کا صاحبِ اولاد ہونا، توریت

وتاریخ سے تو ثابت ہی ہے، قرآن مجید نے بھی ضمناً سہی اس حقیقت کا اثبات کیا ہے۔

(۵۵) وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ إِنَّ آيَةَ مُلْكِهِ أَنْ يَأْتِيَكُمُ التَّابُوتُ فِيهِ سَكِينَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَبَقِيَّةٌ مِّمَّا تَرَكَ آلُ مُوسَىٰ وَآلُ هَارُونَ۔ (البقرۃ - ع ۳۲)

ان (بنی اسرائیل) سے اُن کے (زمانہ کے) پیمبر نے کہا، کہ اس (طالوت) کے بادشاہ ہونے کی علامت یہ ہے کہ تمہارے پاس وہ صندوق آجائے گا، جس میں تسکین کی چیز ہے تمہارے پروردگار کی طرف سے اور کچھ بچی ہوئی چیزیں ہیں جن کو اولاد موسیٰؑ اور اولاد ہارونؑ تمہارے لئے چھوڑ گئے ہیں۔

ان ساری آیتوں سے یہ واضح ہوگیا، کہ بہ طور ایک عمومی قاعدہ کے ہر نبیؑ صاحب اہل وعیال ہوتا ہے۔ اور متعدد پیمبران جلیل کے (جن میں سب سے سربلند ہمارے رسول رسول کریمؐ ہیں) اہل وعیال کا ذکر قرآن مجید نے بہ صراحت بھی کر دیا ہے۔ اتنا ہی نہیں ہے، پیمبرانؑ کرام نے اولاد کی تمنا و آرزو بھی کی ہے۔ چنانچہ حضرت زکریاؑ کی اس آرزو و دعا کا ذکر قرآن مجید نے بہ تصریح و بہ تکرار کیا ہے۔

(۵۶) وَزَكَرِيَّا إِذْ نَادَىٰ رَبَّهُ رَبِّ لَا تَذَرْنِي فَرْدًا وَأَنْتَ خَيْرُ الْوَارِثِينَ۔ (الانبیاء - ع ۶)

اور زکریاؑ (کا بھی تذکرہ کیجئے) جب انہوں نے اپنے پروردگار کو پکارا، کہ اے میرے پروردگار مجھے لاوارث نہ رکھیو، اور (حقیقۃً) سب سے بہتر وارث تو، تو خود ہی ہے۔

اولاد صالح کی یہ تمنا آپ نے اس حال میں کی، کہ جب آپؑ اِس سن کو پہنچ چکے تھے، جب عادۃً اولاد کی توقع باقی نہیں رہتی، اور آپؑ کی اہل خانہ بچہ جننے کے ناقابل سمجھ لی گئی تھیں۔ اور دعا بھی آپؑ نے بڑے چاؤ اور للک کے ساتھ کی ہے۔

(۵۷) قَالَ رَبِّ إِنِّي وَهَنَ الْعَظْمُ مِنِّي وَاشْتَعَلَ الرَّأْسُ شَيْبًا وَلَمْ أَكُنْ

(زکریاؑ نے) عرض کی کہ اے میرے پروردگار میری ہڈیاں کمزور ہوچکیں ہیں۔ اور سر میں بالوں کی

بِدُعَآئِكَ رَبِّ شَقِيًّا ۝ وَاِنِّيْ خِفْتُ الْمَوَالِيَ مِنْ وَّرَآءِيْ وَكَانَتِ امْرَاَتِيْ عَاقِرًا فَهَبْ لِيْ مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا ۝ يَّرِثُنِيْ وَيَرِثُ مِنْ اٰلِ يَعْقُوْبَ وَاجْعَلْهُ رَبِّ رَضِيًّا۔ (مریم - ع ۱)

سفیدی پھیل پڑی ہے اور تجھ سے مانگ کر اے میرے پروردگار میں (کبھی) محروم نہیں رہا ہوں۔ مجھے اپنے رشتہ داروں کی طرف سے اندیشہ ہے اور میری بی بی عقیم ہیں۔ تو تو اپنے (فضل) خاص سے مجھے ایسا وارث عطا کر جو میرا وارث بنے اور اولاد یعقوب کا وارث بنے اور اے میرے پروردگار مقبول بھی کر۔

دعا قبول ہوئی۔ موانع حمل مٹا دیئے گئے اور فرزند صالح کی بشارت مل گئی۔

(۵۸) فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ وَوَهَبْنَا لَهٗ يَحْيٰى وَاَصْلَحْنَا لَهٗ زَوْجَهٗ۔ (الانبیاء - ع ۶)

سو ہم نے ان کی دعا قبول کر لی اور ہم نے ان کو یحییٰ فرزند عطا کیا۔ اور ان کے لئے ان کی بی بی کو اولاد کے قابل بنا دیا۔

دعا بڑے مبارک وقت و محل میں کی گئی تھی اور دعا ذرّیت صالح کے لئے تھی۔ حجرۂ بیت المقدس میں مریمؑ کے پاس خارق عادت نعمتیں دیکھ کر معًا آپؑ نے دعا کی تھی۔

(۵۹) هُنَالِكَ دَعَا زَكَرِيَّا رَبَّهٗ قَالَ رَبِّ هَبْ لِيْ مِنْ لَّدُنْكَ ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً اِنَّكَ سَمِيْعُ الدُّعَآءِ۔ (آل عمران - ع ۴)

وہیں (یا اسی وقت) زکریاؑ نے اپنے پروردگار سے دعا کی عرض کی کہ اے میرے پروردگار مجھے اپنے (فضل) خاص سے ذریت طیبہ عطا کر بے شک تو بڑا سننے والا ہے دعا کا،

بشارت عین حالتِ نماز میں فرشتوں کی زبان سے ملی کہ فرزند نہ صرف تولد ہوگا، بلکہ ہر طرح صالح و سعید، یہاں تک کہ نبی ہوگا۔

(۶۰) اِنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكَ بِيَحْيٰى مُصَدِّقًا بِكَلِمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَسَيِّدًا وَّحَصُوْرًا

اللہ آپ کو بشارت دیتا ہے یحییٰ کی جو کلمۃ اللہ کی تصدیق کرنے والے ہوں گے اور سردار ہوں گے

وَ نَبِيًّا مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ۔ (ایضًا) اور اپنے نفس کو بہت روکنے والے ہوں گے اور نبی بھی ہوں گے صالحین میں سے ۔

بشارت تھی اتنی حیرت انگیز اور اسباب ظاہر کے لحاظ سے اتنی مستبعد کہ کہاں تو خود ہی اس کے لئے دعا کی تھی اور کہاں عام بشری ذہنیت کے مطابق ، اس پر فرط حیرت سے جرح کرنے لگے ، کہ ایک تو میں ضعیف ، دوسرے میری بی بی عقیم ۔ ان دو دو معذوریوں کے ہوتے ہوئے میرے اولاد ہو گی کیونکر ؟

(۶۱) قَالَ رَبِّ اَنّٰى يَكُوْنُ لِىْ غُلٰمٌ وَّ قَدْ بَلَغَنِىَ الْكِبَرُ وَامْرَاَتِىْ عَاقِرٌ (آل عمران ۔ ع ۴) عرض کی اے میرے پروردگار ، میرے لڑکا ہوگا کیونکر ، درآنحالیکہ میں بڑھاپے کو پہنچ چکا ہوں ۔ اور میری بی بی بھی عقیم ہے ۔

اور جب دوبارہ اسی وعدہ کے تحقق کا یقین دلایا گیا ، تو آخر میں اتنا کہے بغیر پھر بھی نہ رہ سکے ،

(۶۲) رَبِّ اجْعَلْ لِّىْٓ اٰيَةً ۔ (ایضًا) اے میرے پروردگار ، میرے لئے کوئی نشانی مقرر کیجئے ۔

اور جواب ملا کہ

(۶۳) اٰيَتُكَ اَلَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ اِلَّا رَمْزًا ۔ (ایضًا) نشان تمہارے لئے یہ ہے کہ تم لوگوں سے تین دن بات چیت نہ کر سکو گے بجز اشارے کے ۔

یہ سب آیتیں تو صراحت سے حضرات انبیاؑ سے متعلق ہیں ۔ باقی ایک جگہ ذکر "عباد الرحمٰن" (اللہ کے خصوصی اور مقرب بندوں) کا ہے ۔ اور وہاں ان کی ایک علامت یہ بھی بتائی ہے کہ

(۶۴) وَالَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ اَزْوَاجِنَا وَذُرِّيّٰتِنَا قُرَّةَ اَعْيُنٍ یہ وہ لوگ ہیں جو دعا کرتے رہتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار ہم کو ہماری بیبیوں اور ہماری اولاد

وَّاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ إِمَامًا۔ (الفرقان ۔ ع ۶)

کی طرف سے آنکھوں کی ٹھنڈک عطا فرما اور ہم کو پرہیزگاروں کا سردار بنا دے۔

اور "عباد الرحمٰن" میں ظاہر ہے کہ سب سے اشرف و اعلا مرتبہ حضرات انبیاءؑ کا ہوتا ہے، اس لئے اگر اس دعا و تمنا کا تعلق ان حضرات سے بھی سمجھ لیا جائے، تو یہ کوئی بے جا اور بعید بات نہ ہوگی۔

غرض یہ کہ اہل و عیال کا ہونا نہ صرف یہ کہ نبوت کے منافی کسی درجہ میں بھی نہیں، بلکہ کثرت سے انبیاؑ، صاحب ازواج و اولاد ہوتے ہیں بلکہ بعض نے توعین اس کی تمنا اور دعا بھی کی ہے۔ یہاں تک کہ ایسے سن میں کی ہے، جب عموماً اس کی آرزو باقی ہی نہیں رہتی۔ تو انبیاؑ میں بشریت اس خاص حیثیت سے نہ صرف موجود بلکہ نمایاں رہی ہے۔

باب (۱۱)

زلّات و قربِ زلّات

وزیروں، امیروں، درباریوں میں کوئی زیادہ سے زیادہ بھی مُقرّب ہو، پھر بھی کہاں وہ کہاں بادشاہ! ایاز، سلطان محمود کا محبوب ترین افسر تھا، اس پر بھی سلطان سلطان ہی تھا اور غلام غلام! یہ تناسب جب دنیا کے شاہ و رعایا، آقا و غلام میں پایا جاتا ہے، جو بہرحال مجبور مخلوق ہونے کے لحاظ سے سب ایک ہی سطح پر ہیں۔ تو پھر سلطان حقیقی اور بندے اور خالق اور مخلوق کے درمیان فرق کا کہنا ہی کیا! بعد و مقدار کے لئے زبان میں چلے ہوئے جتنے بھی لفظ ہیں، سب اس کی مقدار فرق کے اظہار سے قاصر، بجز ایک لفظ بے انتہا کے اس بے حد و نہایت فرق کی بنا پر آقا کو اختیار ہے کہ غلام کو جس خطا، جس لغزش، جس جرم پر جو چاہے سزا دے، اور جن لفظوں میں چاہے۔ اس کو تنبیہ کرے۔ یہ حقیقت بنیادی طور پر پیش نظر رہے، تو آئندہ سطور کے پڑھنے میں آسانی رہے گی۔

پیمبر اس طرح نہیں پیدا کئے جاتے، کہ ان کی فطرت ہی سے معصیت کی صلاحیت سلب کر لی گئی ہو۔ اگر ایسے ہوں تو انہیں بشر کہا ہی کیوں جائے۔ وہ فوق البشر ہی نہ ہو جائیں۔ ایسی فطرت تو صرف ملائکہ (فرشتوں) کی ہوتی ہے۔ حضرات انبیاؑ یہی نہیں کہ بہت دفعہ لغزشوں کے قریب پہنچ گئے ہیں، بلکہ کبھی کبھی تو لغزشیں ان سے سرزد ہو کر بھی رہی ہیں۔ پھر عین وقت پر رحمت الٰہی نے اس ٹوٹتے ہوئے تعلق کو از سر نو جوڑ دیا۔

انبیاؑ کی زندگی کے دو دَور کھلے ہوئے ہوتے ہیں۔ پہلا دور ہر نبی کی زندگی کا قبل نبوت ہوتا ہے۔ دوسرا دہ، جب وہ منصب نبوت پر سرفراز ہو چکا ہوتا ہے۔ پہلے دَور میں

گو اس میں بہترین صلاحیتیں موجود ہوتی ہیں، اور اپنے عام اخلاق و اطوار میں وہ اپنے ہم چشموں سے علانیہ ممتاز ہوتا ہے، پھر بھی لغزشوں کا اس کے لئے نہ صرف امکان رہتا ہے، بلکہ واقعۃً ان کا صدور بھی اس سے ہو چکا ہوتا ہے، سب سے پہلا سبق آموز قصہ اس بارے میں حضرت آدمؑ کا ہے۔ وہ ابھی روئے زمین پر بہ حیثیت نبی آئے بھی نہ تھے، کہ شیطان نے اپنی وسوسہ اندازی کا اثر ان پر ڈال ہی دیا۔ ارشاد ہوتا ہے کہ

(۱) فَاَزَلَّهُمَا الشَّيْطَانُ عَنْهَا۔ (البقرۃ۔ ع ۴) — شیطان نے ان دونوں (آدم و زوج آدم) کو اس مقام سے ڈگا دیا۔

حضرت آدمؑ کی ذات کی حد تک دوسری جگہ ارشاد ہوا ہے۔

(۲) فَوَسْوَسَ اِلَيْهِ الشَّيْطَانُ۔ (طٰہٰ۔ ع ۷) — پھر شیطان نے ان (آدم) کو وسوسہ میں ڈال دیا۔

دوسری جگہ اس اجمال کی مختصر سی تشریح بھی ہے۔

(۳) فَوَسْوَسَ لَهُمَا الشَّيْطٰنُ ..... فَدَلّٰهُمَا بِغُرُوْرٍ۔ (الاعراف۔ ع ۲) — تو شیطان نے ان دونوں (آدم و زوج آدم) میں وسوسہ ڈالا اور دونوں کو دھوکے سے نیچے لے آیا۔

ابوالبشرؑ پر شیطان کی یہ وسوسہ اندازی کامیاب ہوئی۔ اور آپؑ سے شجر ممنوعہ کا پھل کھا لینے کی لغزش کا واقعی صدور ہو کر رہا۔

(۴) فَاَكَلَا مِنْهَا۔ (طٰہٰ۔ ع ۷) — دونوں نے اس (درخت) سے کھا لیا۔

یہی حقیقت دوسرے لفظوں میں۔

(۵) فَلَمَّا ذَاقَا الشَّجَرَةَ۔ (الاعراف۔ ع ۲) — جب دونوں نے اس (درخت) سے چکھ لیا۔

لغزش کے طبعی نتیجے بھی معاً ظاہر ہوئے، اور گرفت بھی نافرمانی پر فوراً ہوئی۔

(۶) اَلَمْ اَنْهَكُمَا عَنْ تِلْكُمَا الشَّجَرَةِ — کیا میں تم دونوں کو اس درخت سے منع نہیں

وَ اَقُلْ لَّکُمَآ اِنَّ الشَّیْطٰنَ لَکُمَا عَدُوٌّ مُّبِیْنٌ۔ (ایضًا)

کر چکا تھا۔ اور یہ نہیں کہہ چکا تھا، کہ شیطان تم دونوں کا کھلا ہوا دشمن ہے۔

جرم اس درجہ کا تھا، کہ اس پر عصیان وغوایت کا اطلاق صراحت کے ساتھ فرمایا گیا ہے۔

⑦ وَعَصٰۤی اٰدَمُ رَبَّهٗ فَغَوٰی۔ (طٰہٰ۔ ع ۷)

اور آدم نے اپنے رب کا قصور کیا، سو وہ بہک گئے۔

اور شیطان کی یہ کامیابی آدمؑ دشمنی، نسل آدمؑ کے سامنے بہ طور مستقل درس عبرت کے پیش فرمائی گئی۔

⑧ یٰبَنِیْۤ اٰدَمَ لَا یَفْتِنَنَّکُمُ الشَّیْطٰنُ کَمَاۤ اَخْرَجَ اَبَوَیْکُمْ مِّنَ الْجَنَّةِ یَنْزِعُ عَنْهُمَا لِبَاسَهُمَا لِیُرِیَهُمَا سَوْاٰتِهِمَا (الاعراف۔ ع ۳)

اے آدم زادو، شیطان تمہیں کہیں فتنہ میں نہ ڈال دے، جیسا کہ اس نے تمہارے دادا دادی کو جنّت سے نکلوا دیا تھا اس حال کے ساتھ کہ ان کا لباس بھی ان سے اُترو الیا تھا جس سے ان کے ستر ان کو دکھائی دینے لگے۔

غرض صراحت، بلکہ صراحت در صراحت تو حضرت آدمؑ کی زلت کی تو ہو چکی، لیکن یہ ساری حکایت ان کے دور قبل نبوت کی ہے نبوّت سے سرفراز تو وہ اس دنیا میں آنے کے بعد ہوئے ہیں۔ اور ایسی ہی صراحت حضرت موسیٰؑ کے دور قبل نبوّت کی ایک لغزش کی وارد ہوئی ہے۔ مصر میں ایک قبطی ایک اسرائیلی سے جھگڑ رہا تھا۔ اسرائیلی کی فریاد پر آپؑ اس کی مدد کو گئے۔ آپؑ کے گھونسے کی ضرب سے وہ قبطی اتفاقاً مر گیا۔ اس کا ذکر خود آپؑ کی زبان سے ہے۔

⑨ فَوَکَزَهٗ مُوْسٰی فَقَضٰی عَلَیْهِ قَالَ هٰذَا مِنْ عَمَلِ الشَّیْطٰنِ اِنَّهٗ عَدُوٌّ مُّضِلٌّ

موسیٰؑ نے اس کے مکّا مارا، جس نے اس کا کام ہی تمام کر دیا، آپ نے کہا یہ تو عمل شیطانی ہوا۔

مُّبِيۡنٌ ۔ (القصص ۔ ع ۲) بے شک شیطان تو کھلا ہوا دشمن ہے گمراہ کرنے والا۔

دوسری جگہ بھی آپ ہی کی زبان سے نقل ہوا ہے ۔

(۹) قَالَ فَعَلۡتُهَآ اِذًا وَّاَنَا مِنَ الضَّآلِّيۡنَ فَفَرَرۡتُ مِنۡكُمۡ لَمَّا خِفۡتُكُمۡ فَوَهَبَ لِىۡ رَبِّىۡ حُكۡمًا وَّجَعَلَنِىۡ مِنَ الۡمُرۡسَلِيۡنَ ۔ (الشعرآء ۔ ع ۲) آپ نے کہا، کہ مجھ سے یہ عمل ایسے وقت سرزد ہوا، جب میں بھٹکے ہوؤں میں تھا۔ اس پر میں تمہارے ہاں سے، جب مجھے تم سے خوف معلوم ہوا، بھاگ گیا۔ پھر اللہ نے مجھے حکمت اور نبوت سے سرفراز کیا۔

تو یہ ساری سرگزشت، دو پیمبروں کی، اُن کے دَورِ نبوت سے قبل کی تھی۔ لیکن خود نبوت مل جانے کے بعد بھی یہ نہیں ہوتا کہ نبی سے بشریت ہی سلب کرلی جائے، اس کی فطرت ایسی بنادی جائے کہ شیطانی تحریک سے اثر پذیری کی صلاحیت ہی اس میں باقی نہ رہ جائے اور پیمبری دعوت میں خلط شیطانی کی سرے سے گنجائش ہی نہ رہنے پائے۔ حضورؐ کو مخاطب کرکے ایک عام قاعدہ سارے انبیاؑء کے لئے سنادیا گیا۔

(۱۰) وَمَآ اَرۡسَلۡنَا مِنۡ قَبۡلِكَ مِنۡ رَّسُوۡلٍ وَّلَا نَبِىٍّ اِلَّاۤ اِذَا تَمَنّٰۤى اَلۡقَى الشَّيۡطٰنُ فِىۡۤ اُمۡنِيَّتِهٖ ۔ (الحج ۔ ع ۷) ہم نے آپ سے قبل کوئی رسول اور نبی ایسا نہیں بھیجا، جس کو یہ پیش نہ آیا ہو کہ جب اس نے کچھ پڑھا، تو شیطان نے اس کے پڑھنے میں شبہ میں ڈال دیا ہو۔

اور اس اجمالی بیان کے علاوہ، تین پیمبروں کا تو نام لے کر ان کی لغزشوں کی صراحت فرمائی گئی ہے۔ ایک ان میں سے حضرت سلیمانؑ ہیں۔ ان کے ذکر میں ہے کہ ایک بار کسی دنیوی مال (روایتوں میں ذکر گھوڑوں کا آتا ہے) کا جائزہ لیتے وقت عبادت کا وقت آپؑ سے ٹل گیا تھا۔ اسے آپؑ ہی کی زبان سے ادا کیا ہے ۔

(۱۱) فَقَالَ اِنِّیۡۤ اَحۡبَبۡتُ حُبَّ الۡخَیۡرِ عَنۡ ذِکۡرِ رَبِّیۡ ۚ حَتّٰی تَوَارَتۡ بِالۡحِجَابِ ۔ (صٓ ۔ ع ۳)

بولے، میں اس مال کی محبت میں اپنے پروردگار کی یاد سے غافل ہو گیا۔ یہاں تک کہ آفتاب پردہ میں چھپ گیا۔

دوسرا ذکر آپؑ ہی کے والد ماجد حضرت داؤدؑ کا ہے۔ آپؑ سے بھی کوئی ایسی لغزش صادر ہو گئی تھی، جس کی تصریح قرآن مجید میں نہیں۔ لیکن بہر حال آپؑ کو اس سے استغفار کرنا پڑا تھا۔

(۱۲) وَ ظَنَّ دَاوٗدُ اَنَّمَا فَتَنّٰهُ فَاسۡتَغۡفَرَ رَبَّهٗ وَ خَرَّ رَاکِعًا وَّ اَنَابَ ۞ فَغَفَرۡنَا لَهٗ ذٰلِکَ ۔ (صٓ ۔ ع ۴)

اور داؤد کو خیال گزرا کہ ہم نے ان کا امتحان لیا ہے، سو انہوں نے اپنے رب سے استغفار کیا اور سجدہ میں گر پڑے اور رجوع ہوئے، سو ہم نے ان کو معاف کر دیا۔

تیسرا نام اس سلسلے میں حضرت یونسؑ کا آتا ہے۔ جن کی بابت یہ صراحتیں درج ہیں۔

(۱۳) وَ ذَا النُّوۡنِ اِذۡ ذَّهَبَ مُغَاضِبًا فَظَنَّ اَنۡ لَّنۡ نَّقۡدِرَ عَلَیۡهِ فَنَادٰی فِی الظُّلُمٰتِ اَنۡ لَّاۤ اِلٰهَ اِلَّاۤ اَنۡتَ سُبۡحٰنَکَ ٭ۖ اِنِّیۡ کُنۡتُ مِنَ الظّٰلِمِیۡنَ ۔ (الانبیاء ۔ ع ۶)

اور ذوالنون کا بھی تذکرہ کیجئے، جب وہ غصّہ میں آکر چل کھڑے ہوئے اور یہ سمجھے کہ ہم ان پر کوئی گرفت نہ کریں گے۔ پھر انہوں نے (مچھلی کے پیٹ کے) اندھیروں میں پکارا کہ (اے اللہ) تیرے سوا کوئی معبود نہیں۔ تو پاک ہے، میں بے شک قصورواروں میں ہوں۔

ہمارے نبی اکرمؐ کی ذات چونکہ انبیاء میں کامل ترین و جامع ترین ہوئی ہے، اور قیامت تک کے لئے ہر ملک اور ہر زمانے کے لئے نمونہ اور حجّت و سند کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس لئے قدرۃً سب سے زیادہ احتساب بھی آپؐ ہی کے لئے مخصوص رہا۔ پہلی تنبیہ جو ہوئی ہے، وہ آپؐ کو حضرت یونسؑ ہی کی مثال دے کر فرمائی گئی ہے جو اپنے پروردگار سے

وقتی طور پر روٹھ گئے تھے۔

(۱۴) فَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ وَلَا تَكُنْ كَصَاحِبِ الْحُوْتِ اِذْ نَادٰى وَهُوَ مَكْظُوْمٌ۔ (القلم ۔ ع ۱۲)	آپ اپنے پروردگار کی تجویز پر (وہ جو کچھ بھی ہو) صبر سے قائم رہیے، اور مچھلی والے (پیمبرؑ) کی طرح نہ ہو جائیے، جب کہ انہوں نے دعا کی ۔ اس حال میں کہ وہ غم سے گھٹ رہے تھے ۔

حضورؐ کی حفاظت خصوصی کا انتظام اگر غیب سے نہ کر دیا گیا ہوتا، تو دشمنان حق و دشمنان دین خدا معلوم آپؐ سے کیا کیا کرا کے رہتے ۔

(۱۵) وَاِنْ كَادُوْا لَيَفْتِنُوْنَكَ عَنِ الَّذِیْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ لِتَفْتَرِيَ عَلَيْنَا غَيْرَهٗ وَاِذًا لَّاتَّخَذُوْكَ خَلِيْلًا وَلَوْلَآ اَنْ ثَبَّتْنٰكَ لَقَدْ كِدْتَّ تَرْكَنُ اِلَيْهِمْ شَيْئًا قَلِيْلًا۔ (بنی اسرائیل ۔ ع ۸)	اور قریب تھا کہ یہ لوگ آپ کو اس سے بچلا دیتے جو ہم نے آپ پر وحی کی ہے۔ تاکہ آپ اس کے سوا ہماری طرف غلط بات کی نسبت کر دیں۔ اور ایسی حالت میں یہ لوگ آپ کو گہرا دوست بنا لیتے۔ اور اگر ہم نے آپ کو ثابت قدم نہ رکھا ہوتا تو آپ ان کی طرف کچھ جھکنے کے قریب پہنچ گئے ہوتے۔

یعنی گو ہماری حفاظت نے آپؐ کو شیطانی اثرات سے ہمیشہ محفوظ ہی رکھا، اور آپؐ میں شائبہ بھی اُن اثرات کا نہ آنے دیا، تاہم اس کا خطرہ اور احتمال تو بہر حال تھا ہی ۔ انبیاءؑ کی فطرت ایسی بنا کر بھیجنا کہ ان میں کسی شیطانی تاثر کے قبول کرنے کی صلاحیت ہی سرے سے نہ رہے، حکمت الٰہی کے منافی ہے ۔

آیت سے متعلق جو دوسری آیت ہے، اُسے بھی پڑھ لیجیے، تاکہ تخویف و تہدید کا پورا نقشہ ذہن کے سامنے آجائے ۔

(۱۶) اِذًا لَّاَذَقْنٰكَ ضِعْفَ الْحَيٰوةِ وَضِعْفَ الْمَمَاتِ ثُمَّ لَا تَجِدُ لَكَ	اگر کہیں ایسا ہوتا، تو ہم آپ کو دُہرا عذاب چکھاتے زندگی میں بھی اور موت میں بھی پھر آپ ہمارے

عَلَيْنَا نَصِيْرًا۔ (ایضًا) مقابلہ میں کوئی بھی مددگار نہ پاتے۔

پیمبروں میں سب کا سرور و سردار ہونا کوئی معمولی نعمت تھی؟ اور ظاہر ہے کہ ذمہ داریاں بھی مرتبے کے ساتھ ہی ساتھ چلتی ہیں۔ قدرتًا جتنا اہتمام آپؐ کی ذمہ داریوں کا رکھا گیا، آپؐ کے مرتبے ہی کی نسبت سے ہے۔

ذیل کی تنبیہی آیتیں بھی اسی سلسلے کی کڑیاں ہیں، جن میں آپؐ کو ایک متعین لغزش پر آگاہ و متنبہ کیا گیا، حالانکہ یہ لغزش بھی، صرف صوری تھی، حقیقی نہ تھی۔

(۱۷) عَبَسَ وَتَوَلّٰٓى اَنْ جَآءَهُ الْاَعْمٰى وَمَا يُدْرِيْكَ لَعَلَّهٗ يَزَّكّٰٓى اَوْ يَذَّكَّرُ فَتَنْفَعَهُ الذِّكْرٰى اَمَّا مَنِ اسْتَغْنٰى فَاَنْتَ لَهٗ تَصَدّٰى وَمَا عَلَيْكَ اَلَّا يَزَّكّٰى وَاَمَّا مَنْ جَآءَكَ يَسْعٰى وَهُوَ يَخْشٰى فَاَنْتَ عَنْهُ تَلَهّٰى كَلَّآ۔ (عبس)

(پیغمبر) چیں بہ جبیں ہوئے اور منہ پھیر لیا اس پر کہ ان کے پاس نابینا آیا۔ اور آپ کو کیا خبر، شاید وہ سنور ہی جاتا، یا نصیحت قبول کر لیتا، سو اس کو نصیحت کرنا فائدہ پہنچاتا۔ تو جو شخص بے نیازی برتتا ہے آپ اس کی تو فکر میں پڑ جاتے ہیں حالانکہ آپ پر کوئی الزام نہیں کہ وہ نہ سنورے اور جو شخص آپ کے پاس دوڑتا ہوا آتا ہے اور وہ خشیت بھی رکھتا ہے۔ آپؐ اس سے بے توجہی کرتے ہیں زنہار (ایسا نہ کیجئے)

نابینا صحابیؓ کے بجائے فوری التفات اشراف قریش کی طرف فرمانے کی بنیاد تمام تر یہ دینی مصلحت تھی کہ ایک طرف مشرکین کے اکابر کو دین توحید کے اندر لانا تھا، اور دوسری طرف ایک مومن کو صرف کوئی جزئی مسئلہ بتانا تھا۔ اور اس لئے حقیقتًہ اس واقعہ میں کسی زلّت (لغزش) کا صدور آپؐ سے ہوا ہی نہیں، لیکن بہرحال حاکم حقیقی و حکیم مطلق کی نظر میں یہ ظاہری اور صوری فروگذاشت بھی غیرتِ دینی کے تقاضے کے منافی تھی اور اس لئے قابل گرفت ٹھہری۔

اسی طرح جب قرآن مجید آپؐ پر فرشتۂ جبرئیل کے ذریعہ نازل ہو رہا تھا، آپؐ وفور شوق میں فرشتہ کی قرأت کے ساتھ ہی ساتھ، خود بھی کلام پاک کو دہرانا شروع کر دیتے تو ہدایت نازل ہوئی کہ یہ بات بے جا ہے۔

(۱۸) لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهٖ اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَقُرْاٰنَهٗ۔ (القیامۃ ۔ ع ۱)

آپؐ قرآن پر اپنی زبان نہ چلایا کیجئے، اس خیال سے کہ آپ اس کو جلدی جلدی لے لیں۔ یہ تو ہمارے ذمّے ہے اس کا جمع کر دینا اور اس کا پڑھوا دینا۔

ایک بار ایک خاص قسم کے شہد سے احتراز کا عہد آپؐ نے کسی بی بی صاحبہ کی خاطر سے کرلیا۔ پیمبر کا یہ عمل صورۃً ایک حلال غذا کو اپنے اوپر حرام کرلینا تھا۔ بارگاہ خداوندی سے اس پر بھی گرفت ہوئی اور اس گرفت نے قیامت تک کے لئے قرآن مجید میں جگہ پالی۔

(۱۹) يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكَ تَبْتَغِيْ مَرْضَاتَ اَزْوَاجِكَ۔ (التحریم ۔ ع ۱)

اے نبی جس چیز کو اللہ نے آپ کے لئے حلال کیا ہے، آپؐ اس کو کیوں حرام کئے لیتے ہیں اپنی بیبیوں کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے۔

اپنے منہ بولے بیٹے کی مطلقہ بی بی سے عقد کرلینا اب بھی بہت جگہ معیوب سمجھا جاتا ہے۔ اور عرب جاہلیت میں تو یہ خاص طعن کی چیز تھی۔ اور محل طعن سے بچنا ہر بشر کے لئے ایک امر طبعی ہے۔ کوئی فسق یا ضلالت نہیں۔ پھر بھی حضورؐ سے جب ایک موقع پر اس تقاضائے بشریت کا اظہار ہوا، تو معاً اوپر سے تنبیہ بھی نازل ہوئی۔

(۲۰) وَتُخْفِيْ فِيْ نَفْسِكَ مَا اللّٰهُ مُبْدِيْهِ وَتَخْشَى النَّاسَ وَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشٰىهُ۔ (الاحزاب ۔ ع ۱)

آپ اپنے دل میں وہ بات چھپائے ہوئے تھے۔ جس کو اللہ ظاہر کرنے والا تھا اور آپ اندیشہ لوگوں سے کر رہے تھے، حالانکہ اندیشہ کرنا آپ کو اللہ ہی سے سزاوار تر ہے۔

کہیں کسی مقدمہ، معاملہ میں آپؐ اگر کسی کو بے قصور سمجھ کر اس کی رعایت یا حمایت فرمانے لگتے، تو یہ چیز بھی بارگاہ خداوندی میں آپؐ کے شایان شان نہ قرار پاتی، اور تنبیہی آیتیں، بلا تامل اس پر نازل ہو جاتیں۔

(۲۱) اِنَّآ اَنۡزَلۡنَآ اِلَيۡكَ الۡكِتٰبَ بِالۡحَقِّ لِتَحۡكُمَ بَيۡنَ النَّاسِ بِمَآ اَرٰٮكَ اللّٰهُ‌ ؕ وَلَا تَكُنۡ لِّـلۡخَآٮِٕنِيۡنَ خَصِيۡمًا ۙ‏ وَّاسۡتَغۡفِرِ اللّٰهَ‌ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوۡرًا رَّحِيۡمًا‌ ۚ‏ وَلَا تُجَادِلۡ عَنِ الَّذِيۡنَ يَخۡتَانُوۡنَ اَنۡفُسَهُمۡ‌ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَنۡ كَانَ خَوَّانًا اَثِيۡمًا ۙ‏ (النساء ع ۱۶)

بے شک ہم نے آپ پر (یہ) کتاب اُتاری ہے حقیقت کے ساتھ، تاکہ آپ لوگوں کے درمیان اس کے مطابق فیصلہ کریں جو اللہ نے آپ کو بتایا ہے۔ اور آپ خائنوں کی طرفداری کی بات نہ کیجئے اور استغفار کیجئے بیشک اللہ بڑا مغفرت کرنے والا، بڑا رحمت والا ہے اور ان لوگوں کی طرف سے وکالت نہ کیجئے جو اپنے ہی حق میں خیانت کر رہے ہیں۔ اللہ ایسے شخص کو دوست نہیں رکھتا، جو بڑا خیانت کرنیوالا، بڑا گنہگار ہو۔

باب (۱۲)

دعا، استغفار، مناجات، استعاذہ

عبدیت کا ایک بڑا، بلکہ سب سے بڑا مظہر، بندہ کی اپنے رب سے دعا و مناجات ہے، خواہ یہ دینی و اُخروی سلسلے میں ہو یا دنیوی و مادّی میں۔ انسان اپنے اَن دیکھے مالک و مولا کو پکارتا اسی وقت ہے، جب کسی نہ کسی حیثیت سے اپنی بندگی، بیچارگی، ضعف عجز کا احساس کرتا ہے۔ اور جس نسبت سے یہ احساس گہرا اور مضبوط ہوگا، اسی نسبت سے اس پکار میں اخلاص، خضوع وخشوع بھی بڑھا ہوا ہوگا۔ اور قرآن مجید کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ انبیاؑء کی عبدیت اس معیار پر بالکل ہی پوری اُتر رہی ہے۔

سورۃ الانبیاؑء کے ایک رکوع میں ذکر متعدد پیمبروں کا ہے حضرت نوحؑ، حضرت داوٗدؑ، حضرت سلیمانؑ، حضرت ایوبؑ، حضرت اسمٰعیلؑ، حضرت ادریسؑ۔ حضرت ذوالکفلؑ۔ حضرت یونسؑ۔ حضرت زکریاؑ، حضرت یحییٰؑ کا۔ اور ان کے ذکر کے آخر پر ہے۔

(۱) اِنَّهُمْ كَانُوْا يُسٰرِعُوْنَ فِي الْخَيْرٰتِ وَيَدْعُوْنَنَا رَغَبًا وَّ رَهَبًا وَّ كَانُوْا لَنَا خٰشِعِيْنَ ۔	یہ سب نیک کاموں کی طرف دوڑتے تھے اور ہمیں پکارتے تھے۔ شوق وخوف کے ساتھ اور ہمارے حضور میں دب کر رہتے تھے۔

(الانبیاء۔ ع ۶)

اس سے ذرا اوپر ذکر اور چند پیمبروں کا ہے۔ حضرت ابراہیمؑ۔ حضرت لوطؑ۔ حضرت اسحٰقؑ وحضرت یعقوبؑ کا، اور ان سب سے متعلق ہے۔

(۲) وَجَعَلْنٰهُمْ اَئِمَّةً يَّهْدُوْنَ	اور ہم نے ان کو پیشوا بنایا کہ ہمارے حکم سے

بِاَمْرِنَا وَاَوْحَیْنَا اِلَیْھِمْ فِعْلَ الْخَیْرٰتِ وَاِقَامَ الصَّلٰوۃِ وَاِیْتَآءَ الزَّکٰوۃِ وَکَانُوْا لَنَا عٰبِدِیْنَ۔ (الانبیاء - ع ۵)

ہدایت کرتے تھے، اور ہم نے ان پر وحی بھیجی نیک کاموں کے کرنے کی اور نماز کی پابندی کی اور ادائے زکوٰۃ کی۔ اور یہ لوگ ہماری (بڑی) عبادت کرنے والے تھے۔

یعنی عبدیت سے بے نیازی انہیں ذرا بھی نہ تھی۔ اور وہ خود التجا و نیاز میں لگے رہتے تھے۔

سب سے پہلی تصریح ابو الانبیاء حضرت آدمؑ کے ذکر میں ملتی ہے جب اُن سے معصیت کا وقوع ہو چکا تو۔

(۳) فَتَلَقّٰٓی اٰدَمُ مِنْ رَّبِّہٖ کَلِمٰتٍ فَتَابَ عَلَیْہِ اِنَّہٗ ھُوَ التَّوَّابُ الرَّحِیْمُ۔ (البقرۃ - ع ۴)

اس کے بعد آدم نے اپنے پروردگار سے حاصل کر لئے کچھ لفظ، اور وہ (پروردگار) اُن پر رحمت کے ساتھ متوجہ ہوا۔ اور وہ ہے ہی بڑا توبہ قبول کرنے والا اور بڑا مہربان۔

یہ "چند الفاظ" ظاہر ہے کہ توبہ و معذرت کے تھے۔

اور پھر انہیں کی زبان سے مزید تصریح ہے،

(۴) قَالَا رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَکُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِیْنَ۔ (الاعراف - ع ۲)

(آدم و حوّا) دونوں نے عرض کی، کہ اے ہمارے پروردگار ہم نے ظلم کیا اپنی جانوں پر۔ تو اگر تو ہی ہماری مغفرت نہ کرے گا اور ہمارے اوپر مہربانی نہ کرے گا تو ہم سخت گھاٹے میں رہیں گے۔

مان لیجئے کہ یہ کلام زمانۂ نبوت سے قبل کا ہے۔ اور یہی تاویل حضرت موسیٰؑ کے بھی اس کلام میں ہو سکتی ہے، جہاں آپؑ نے ایک صرف صوری معصیت (بلا قصد قتل قبطی) کے بعد مناجات کی ہے کہ

(۵) رَبِّ اِنِّیْ ظَلَمْتُ نَفْسِیْ فَاغْفِرْلِیْ۔ (القصص۔ ع ۲)
اے میرے پروردگار، میں نے (آن جان) اپنی جان پر ظلم کرلیا، تو تو معاف کردے۔

اور اس کی معافی کا پروانہ بھی مل گیا۔

(۶) فَغَفَرَلَهٗ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ۔ (ایضاً)
سو اللہ نے انہیں معاف کردیا، اور بے شک وہ بڑا مغفرت والا اور بڑا رحمت والا ہے۔

لیکن دوسرے مقامات پر جو صراحتیں ہیں اور وہ بھی بہ تکرار، انہوں نے مسئلہ کو بالکل واضح کردیا ہے۔ اور اشتباہ کی گنجائش نہیں باقی رکھی ہے۔

حضرت نوحؑ اپنی قوم کی مسلسل نافرمانیوں اور اپنی دعوت کی مسلسل ناکامیوں سے عاجز آکر دعا کرتے ہیں۔

(۷) رَبِّ انْصُرْنِیْ بِمَا كَذَّبُوْنِ۔ (المومنون۔ ع ۲)
اے میرے رب، میرا بدلہ لے اس کا کہ انہوں نے مجھے جھٹلایا ہے۔

اور کمال عجز سے یہ بھی عرض کرتے ہیں۔

(۸) اَنِّیْ مَغْلُوْبٌ فَانْتَصِرْ۔ (القمر۔ ع ۱)
میں (ہر طرح) درماندہ ہوں، تو تو بدلہ لے لے۔

اور وحی الٰہی سے یہ خبر پا جانے کے بعد کہ اب نافرمانوں میں سے کوئی ایمان نہ لائے گا، یہ بھی عرض کرتے ہیں۔

(۹) رَبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْاَرْضِ مِنَ الْكٰفِرِیْنَ دَیَّارًا۔ (نوح۔ ع ۲)
اے میرے رب زمین پر کافروں میں سے (آب) ایک باشندہ بھی نہ چھوڑ۔

اور جب حکم الٰہی سے کشتی پر مومنین کے ساتھ سوار ہوتے ہیں تو خیریت کے ساتھ اترنے کی یوں دعا مانگتے ہیں۔

(۱۰) رَبِّ اَنْزِلْنِیْ مُنْزَلًا مُّبٰرَكًا
اے میرے رب مجھے مبارک اُتارنا اُتاریو اور

وَ اَنْتَ خَیْرُ الْمُنْزِلِیْنَ ۔ (المؤمنون۔ ع۲) تو سب سے بہتر اُتارنے والا ہے۔

اور پھر جب آپؑ اجتہادی غلطی سے اپنے نافرمان فرزند کی نجات کی درخواست کر بیٹھے، اور جواب ذرا رنگ عتاب میں ملا تو پھر کس الحاح و لجاجت سے معذرت بھی پیش کرتے ہیں۔

(۱۱) رَبِّ اِنِّیْٓ اَعُوْذُ بِکَ اَنْ اَسْئَلَکَ مَا لَیْسَ لِیْ بِهٖ عِلْمٌ وَ اِلَّا تَغْفِرْلِیْ وَتَرْحَمْنِیْٓ اَکُنْ مِّنَ الْخٰسِرِیْنَ ۔ (ہود۔ ع۴)

اے میرے رب، میں تجھ سے پناہ مانگتا ہوں اس امر کی، کہ تجھ سے درخواست کروں ایسے امر کی جس کی (حقیقت کی) مجھے خبر ہی نہ ہو۔ اور اگر تو ہی میری مغفرت نہ کرے گا، اور مجھ پر رحم نہ کرے گا، تو میں تباہ ہی ہو جاؤں گا۔

حضرت ابراہیم خلیلؑ۔ جب اپنے فرزند جلیل حضرت اسمٰعیلؑ کے ساتھ مل کر خانۂ کعبہ کی دیواریں اٹھا رہے ہیں، تو ساتھ ہی ساتھ زبانوں پر یہ زمزمۂ عبودیت بھی ہے۔

(۱۲) رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّکَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ۔ (البقرۃ۔ ع ۱۵)

اے ہمارے رب (یہ خدمت) ہم سے قبول فرما، تو تو بڑا سننے والا، بڑا جاننے والا ہے۔

اور اسی کے ساتھ دعا بھی ذرا لمبی سی ہے۔

(۱۳) رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَیْنِ لَکَ وَمِنْ ذُرِّیَّتِنَآ اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّکَ وَاَرِنَا مَنَاسِکَنَا وَتُبْ عَلَیْنَا اِنَّکَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِیْمُ ۔ (البقرۃ ۔ ع ۱۵)

اے ہمارے رب ہم دونوں کو (اور زیادہ) مطیع بنا لے اور ہماری نسل میں سے ایک ایسی اُمت پیدا کر دے جو تیری مطیع ہو۔ اور ہم کو ہمارے حج کے ارکان بتا۔ اور ہماری توبہ قبول کر، اور تو ہی ہے بڑا توبہ قبول کرنے والا، بڑا رحم کرنے والا۔

اور پھر انہیں ابراہیم علیہ السلام کی زبان سے ایک بڑی لمبی دعا، اپنے اور اپنی اولاد کے حق میں اور اپنے بسائے ہوئے شہر مکّے کے حق میں، اس وقت منقول ہے، جب آپؑ نے

اوّل اوّل اس شہر کو آباد کیا ہے۔

⑭ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا الْبَلَدَ اٰمِنًا وَّاجْنُبْنِيْ وَبَنِيَّ اَنْ نَّعْبُدَ الْاَصْنَامَ رَبِّ اِنَّهُنَّ اَضْلَلْنَ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ فَمَنْ تَبِعَنِيْ فَاِنَّهٗ مِنِّيْ وَمَنْ عَصَانِيْ فَاِنَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ رَبَّنَآ اِنِّيْٓ اَسْكَنْتُ مِنْ ذُرِّيَّتِيْ بِوَادٍ غَيْرِ ذِيْ زَرْعٍ عِنْدَ بَيْتِكَ الْمُحَرَّمِ رَبَّنَا لِيُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ فَاجْعَلْ اَفْئِدَةً مِّنَ النَّاسِ تَهْوِيْٓ اِلَيْهِمْ وَارْزُقْهُمْ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّهُمْ يَشْكُرُوْنَ۔ (ابراہیم۔ ع ۶)	اے میرے پروردگار اس شہر کو امن والا بنا دیجیو اور مجھ کو اور میرے فرزندوں کو بُتوں کی پوجا سے بچائے رکھیو۔ اے میرے پروردگار، انہوں نے بہتیرے آدمیوں کو گمراہ کر دیا ہے، پھر جو شخص میرا کہنا مانے سو تو تو بڑا مغفرت والا، بڑا رحمت والا ہے؟ اے میرے پروردگار میں نے اپنی اولاد کو تیرے معزز گھر کے قریب بسا دیا ہے ایک میدان میں جو زراعت کے قابل نہیں۔ اے ہمارے پروردگار تاکہ وہ لوگ نماز کا اہتمام رکھیں۔ تو تو کچھ لوگوں کے دل ان کی طرف مائل کر دے، اور انھیں پھل کھانے کو دے۔ تاکہ یہ لوگ شکرگزار رہیں۔

دعا واضح طور پر فلاحِ اُخروی کے ساتھ ساتھ فلاحِ دنیوی کے لئے بھی ہے۔ اور پوری طرح اس حقیقت کا اظہار کرتی ہے کہ حضرات انبیاءؑ اپنی اولاد کے حق میں ان کی طلب ہدایت کے علاوہ۔ ان کی دنیوی فلاح و بہبود کے بھی کتنے آرزومند رہتے ہیں۔ طویل دُعا ابھی ختم نہیں ہوئی، ایک حصّہ ابھی اور ہے۔

⑮ رَبِّ اجْعَلْنِيْ مُقِيْمَ الصَّلٰوةِ وَمِنْ ذُرِّيَّتِيْ رَبَّنَا وَتَقَبَّلْ دُعَآءِ رَبَّنَا اغْفِرْ لِيْ وَلِوَالِدَيَّ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ يَوْمَ يَقُوْمُ الْحِسَابُ۔ (ابراہیم۔ ع ۶)	اے میرے پروردگار مجھ کو بھی نماز کا اہتمام رکھنے والا بنائیو اور میری بعض اولاد کو بھی۔ اے میرے پروردگار میری بھی مغفرت کر دیجیو اور اور میرے والدین کی بھی اور (سارے) مومنوں

کی بھی، حساب قائم ہونے کے دن۔

اس سے یہ بھی ظاہر ہوگیا، کہ پیمبر تک خود اپنی مغفرت تک کی دعا کرتے رہتے ہیں۔
اسی دعا کے درمیان میں ایک ٹکڑا مناجاتی رنگ کا یہ بھی آگیا ہے۔

(۱۶) اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ وَهَبَ لِیْ عَلَى الْكِبَرِ اِسْمٰعِیْلَ وَ اِسْحٰقَ اِنَّ رَبِّیْ لَسَمِیْعُ الدُّعَآءِ ۔ (ابراہیم۔ ع ۶)	(ساری) حمد اللہ کے لئے ہے، جس نے مجھے کبرسنی میں اسمٰعیل و اسحٰق (دو فرزند) عطا کئے بے شک میرا پروردگار دعا کا بڑا سننے والا ہے۔

اس سے یہ بھی ظاہر ہوگیا کہ انبیاء باوجود اپنی کبرسنی کے، اولاد کی طلب رکھتے ہیں، اس کے لئے دعا کرتے ہیں۔ اور قبول دعا کے بعد اس کے لئے خصوصیت کے ساتھ شکرگزار ہوتے ہیں۔

حضرت موسیٰؑ کے ہاتھ سے، قبل نبوت، جب اتفاقی طور پر ایک مصری کی ہلاکت کی نوبت آگئی ہے۔ تو آپؑ بلا تامل اس کو ایک شیطانی حرکت قرار دیتے ہیں۔ اور توبہ و استغفار میں لگ جاتے ہیں۔

(۱۷) قَالَ هٰذَا مِنْ عَمَلِ الشَّیْطٰنِ اِنَّهٗ عَدُوٌّ مُّضِلٌّ مُّبِیْنٌ ○ قَالَ رَبِّ اِنِّیْ ظَلَمْتُ نَفْسِیْ فَاغْفِرْ لِیْ۔ (القصص۔ ع ۲)	آپ بولے کہ یہ تو شیطانی حرکت ہوئی بے شک وہ کھلا ہوا دشمن ہے گمراہی میں ڈال دینے والا۔ (پھر) بولے اے میرے پروردگار میں نے اپنے اوپر ظلم کیا، تو مجھے معاف کر دیجیو۔

اور آئندہ کے لئے پورے محتاط رہنے کا عہد کرتے ہیں۔

(۱۸) قَالَ رَبِّ بِمَآ اَنْعَمْتَ عَلَیَّ فَلَنْ اَكُوْنَ ظَهِیْرًا لِّلْمُجْرِمِیْنَ ۔ (ایضاً)	عرض کی اے میرے پروردگار تو نے جو میرے اوپر انعامات کئے ہیں، تو میں اب کبھی مجرموں کا پشت پناہ نہ بنوں گا۔

پھر جب آپؑ کے ہاتھوں قتل واقع ہوجانے کی خبر پھوٹتی ہے، اور آپؑ اپنی جان

کے حفظ کے لئے شہر چھوڑ کر دوسرے ملک کو جاتے ہیں تو اپنی حفاظت کے لئے دعا کرتے جاتے ہیں۔

(۱۹) فَخَرَجَ مِنْهَا خَآئِفًا يَّتَرَقَّبُ قَالَ رَبِّ نَجِّنِيْ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ۔ (ایضًا)

پھر آپ اس شہر سے نکلے خوف اور دہشت کی حالت میں (اور) بولے اے میرے پروردگار مجھے ان ظالم لوگوں سے بچائیو۔

پھر راستہ سے ناواقفیت کی بنا پر اللہ سے یہ دعا بھی مانگتے جاتے ہیں کہ کہیں راہ سے بھٹک نہ جائیں۔

(۲۰) وَلَمَّا تَوَجَّهَ تِلْقَآءَ مَدْيَنَ قَالَ عَسٰى رَبِّيْٓ اَنْ يَّهْدِيَنِيْ سَوَآءَ السَّبِيْلِ۔ (القصص۔ ع ۳)

پھر جب آپ مدین کی طرف ہولئے، تو بولے کہ مجھے امید ہے کہ میرا پروردگار مجھے سیدھے ہی راستہ پر چلائے گا۔

اس کے بعد جب آپؑ سفر کی منزلیں طے کر کے شہر مدین کے کنویں پر پہنچے ہیں، اور وہاں دو شریف زادیوں کی کچھ خدمت بھی کی، تو معًا آپ سایہ میں جا بیٹھے ہیں، اور رفع گرسنگی کے لئے اپنے رب سے دعا کی ہے۔

(۲۱) ثُمَّ تَوَلّٰٓى اِلَى الظِّلِّ فَقَالَ رَبِّ اِنِّيْ لِمَآ اَنْزَلْتَ اِلَيَّ مِنْ خَيْرٍ فَقِيْرٌ۔ (ایضًا)

پھر آپ ہٹ کر سائے میں جا بیٹھے۔ اور پھر آپ نے دعا کی کہ اے میرے پروردگار تو جو نعمت بھی مجھ کو بھیج دے میں اس کا محتاج ہوں۔

اس سے یہ بھی روشن ہو گیا کہ پیمبر دعائیں صرف روحانی ہی برکتوں اور ہدایتوں کے لئے نہیں۔ بلکہ طلب رزق کے لئے بھی کرتے ہیں۔

اسی طرح جب آپؑ کو نبوّت عطا ہوئی ہے، تو آپؑ نے مناجات کی ہے، کہ میری مشکلات آسان فرما دیجئے اور اس امر مہم میں میرے بھائی کو میرا شریک منصب کر دیجئے۔

(۲۲) قَالَ رَبِّ اشْرَحْ لِيْ صَدْرِيْ

عرض کی کہ اے میرے پروردگار، میرا حوصلہ

وَيَسِّرْ لِيْٓ اَمْرِيْ وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِّنْ لِّسَانِيْ يَفْقَهُوْا قَوْلِيْ وَاجْعَلْ لِّيْ وَزِيْرًا مِّنْ اَهْلِيْ هٰرُوْنَ اَخِي اشْدُدْ بِهٖٓ اَزْرِيْ وَاَشْرِكْهُ فِيْٓ اَمْرِيْ۔ (طٰہٰ۔ ع ۲)

فراخ کردے، اور میرا کام آسان بنادے اور میری زبان کی گرہ کھول دے، تاکہ وہ لوگ میری بات سمجھ سکیں اور میرے لئے میرے والوں میں سے میرا ایک معاون مقرر کردے، یعنی میرے بھائی ہارون کو اُن کے ذریعہ میری قوت کو مستحکم کردے، اللہ انہیں میرے کام میں شریک کردے۔

اس درخواست کی منظوری اور عطائے نبوّت کے بعد جب ایک موقع پر پھر کوہ طور پر باریابی ہوئی ہے آپ نے درخواست لقائے رب کی کی ہے، اور آپؑ پر بے ہوشی طاری ہوگئی ہے، اس سے افاقہ کے بعد آپؑ نے توبہ اپنی اس درخواست سے کی ہے۔

(۲۳) فَلَمَّآ اَفَاقَ قَالَ سُبْحٰنَكَ تُبْتُ اِلَيْكَ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُؤْمِنِيْنَ۔ (الاعراف۔ ع ۱۷)

توجب انہیں افاقہ ہولیا، تو انہوں نے عرض کی کہ بے شک تیری ذات منزّہ ہے میں تیرے حضور میں توبہ کرتا ہوں اور سب سے پہلے میں ہی اس پر ایمان لاتا ہوں۔

حضرتؑ ایک بار توریت لینے کوہ طور پر گئے ہوئے تھے۔ اور اپنا نائب بناکر حضرت ہارونؑ کو چھوڑ گئے تھے۔ اس درمیان میں حضرت ہارونؑ کی موجودگی و ممانعت کے باوجود آپؑ کی قوم نے گوسالہ پرستی شروع کردی تھی۔ آپؑ معاً پہاڑ سے واپس آئے، اور قدرتاً حضرت ہارونؑ کو اس کا ذمہ دار سمجھ کر ان سے سخت برہم ہوئے۔ پھر جب آپؑ پر حقیقت حال ظاہر ہوگئی۔ آپؑ نے اپنے اور حضرت ہارونؑ دونوں کے لئے اپنے رب سے اس کی ارحم الراحمینی کا واسطہ دے کر دعائے مغفرت کی ہے۔

(۲۴) قَالَ رَبِّ اغْفِرْ لِيْ وَلِاَخِيْ وَاَدْخِلْنَا فِيْ رَحْمَتِكَ وَاَنْتَ اَرْحَمُ

عرض کی اے میرے رب میری اور میرے بھائی کی مغفرت کر، اور ہم دونوں کو اپنی رحمت میں داخل

الرّٰحِمِیْنَ (الاعراف ۔ ع ۱۸) فرما، اور تو تو سب رحم کرنے والوں سے بڑھ کر رحیم ہے۔

ایسے ہی ایک موقع پر آپؑ اپنے رب کی خیر الغافرینی کا واسطہ دے کر اس سے دعا اپنی اور اپنی ساری اُمت کی مغفرت کی کرتے ہیں۔

(۲۵) تُضِلُّ بِهَا مَنْ تَشَآءُ وَتَهْدِیْ مَنْ تَشَآءُ ۚ اَنْتَ وَلِیُّنَا فَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا وَاَنْتَ خَیْرُ الْغٰفِرِیْنَ ۔ (الاعراف ۔ ع ۱۹)

(ایسے امتحانوں سے) تو جسے چاہے گمراہی میں ڈال دے، اور جسے چاہے ہدایت پر قائم رکھے، تو ہی تو ہمارا مولیٰ ہے، تو ہی ہماری مغفرت فرما اور ہم پر رحم کر۔ اور تو ہی بہترین مغفرت کرنے والا ہے۔

حضرت یونسؑ کا شمار بھی بڑے پیمبروں میں ہے۔ آپؑ کی مناجات و استغفار کا مذکور قرآن مجید میں دو جگہ ہے۔ پہلی بار یوں کہ

(۲۶) وَذَا النُّوْنِ اِذْ ذَّهَبَ مُغَاضِبًا فَظَنَّ اَنْ لَّنْ نَّقْدِرَ عَلَیْهِ فَنَادٰی فِی الظُّلُمٰتِ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ ۖ اِنِّیْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ ۔ (الانبیاء ۔ ع ۶)

اور مچھلی والے (پیمبر) کا تذکرہ کیجئے، جب وہ خفا ہو کر چل کھڑے ہوئے اور اور یہ سمجھے کہ ہم ان پر گرفت نہ کریں گے۔ پھر انہوں نے اندھیروں کے اندر سے پکارا کہ تیرے سوا کوئی معبود نہیں، تو پاک ہے، بیشک میں قصوروار ہوں۔

دوسری جگہ آپ کا نام لے کر ذکر کرنے کے بعد ہے،

(۲۷) فَالْتَقَمَهُ الْحُوْتُ وَهُوَ مُلِیْمٌ ○ فَلَوْلَآ اَنَّهٗ كَانَ مِنَ الْمُسَبِّحِیْنَ لَلَبِثَ فِیْ بَطْنِهٖۤ اِلٰی یَوْمِ یُبْعَثُوْنَ ۔ (الصّٰفّٰت ۔ ع ۵)

پھر انہیں مچھلی نگل گئی، اس حال میں کہ وہ اپنے کو ملامت کر رہے تھے تو اگر وہ تسبیح کرنے والوں میں نہ ہوتے وہ قیامت تک اسی کے پیٹ میں رہتے۔

یہاں گویا یہ بھی بتا دیا کہ ان پیمبر برحق کو بطن ماہی کی قید سے رہائی جو ملی، وہ اسی تسبیح و استغفار ہی کی برکت سے ملی۔

حضرت داؤدؑ کا جو مرتبہ پیمبروں میں ہے، وہ معلوم و معروف ہے آپؑ کے تذکرہ میں ایک خاص واقعہ کے بعد آتا ہے۔

(۲۸) وَظَنَّ دَاوُدُ اَنَّمَا فَتَنّٰهُ فَاسْتَغْفَرَ رَبَّهٗ وَخَرَّ رَاكِعًا وَّ اَنَابَ۔ (ص۔ ع ۲)

اور داؤدؑ کو (اس سے) خیال گزرا کہ ہم نے ان کا امتحان لیا ہے۔ سو انہوں نے اپنے پروردگار سے استغفار کیا، اور سجدہ میں گر پڑے اور رجوع ہوئے۔

اور پھر ذرا آگے بڑھ کر حضرت سلیمانؑ کی عادت رجوع و توبہ کا ذکر ہے۔

(۲۹) نِعْمَ الْعَبْدُ اِنَّهٗ اَوَّابٌ۔ (ص۔ ع ۳)

بڑے اچھے بندے تھے، کہ بہت رجوع کرنے والے تھے۔

یہ حضرت سلیمانؑ، ایک بڑے دنیوی بادشاہ بھی تھے، اُن کے ذکر میں ہے کہ ایک بار جب اُن سے عبادت میں غفلت ہو گئی تھی تو معًا اس کا احساس ہوا،

(۳۰) فَقَالَ اِنِّیْ اَحْبَبْتُ حُبَّ الْخَیْرِ عَنْ ذِكْرِ رَبِّیْ حَتّٰی تَوَارَتْ بِالْحِجَابِ۔ (ص۔ ع ۳)

اور آپ کہنے لگے ہیں اس مال کی محبّت میں اپنے پروردگار کی یاد سے غافل ہو گیا یہاں تک کہ آفتاب پردے میں چھپ گیا،

اور آگے ذکر ہے کہ آپؑ نے عملاً اس کی تلافی فرمائی۔

حضرت ایوبؑ کا صبر ایک حکایت مشہور ہے۔ آپؑ کی مناجات اور فریاد کا ذکر یوں آیا ہے۔

(۳۱) اِذْ نَادٰی رَبَّهٗ اَنِّیْ مَسَّنِیَ الشَّیْطٰنُ بِنُصْبٍ وَّعَذَابٍ۔ (ص۔ ع ۴)

جب کہ انہوں نے اپنے پروردگار کو پکارا کہ شیطان نے مجھے رنج اور دکھ پہنچا دیا ہے۔

اور یہی تذکرہ دوسری جگہ دوسرے لفظوں میں۔

(۳۲) وَاَیُّوْبَ اِذْ نَادٰی رَبَّهٗۤ اَنِّیْ مَسَّنِیَ الضُّرُّ وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِیْنَ۔ (الانبیاء۔ ع ۶)

اور ایوب کا تذکرہ کیجئے، جب انہوں نے اپنے پروردگار کو پکارا کہ مجھے دکھ پہنچ رہا ہے، اور تو توسب سے بڑھ کر مہربان ہے۔

پھر ایک عام وصف ان کا وہی بیان ہوا ہے۔ جو حضرت سلیمانؑ کا بیان ہو چکا ہے۔ یعنی بہ تقاضائے عبدیت، توبہ و رجوع کی عام عادت۔

(۳۳) نِعْمَ الْعَبْدُ اِنَّهٗۤ اَوَّابٌ۔ (ص۔ ع ۴)

وہ بڑے اچھے بندے تھے کہ بہت رجوع ہونے والے تھے۔

دوسرے پیمبروں کا ذکر ہو چکا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جہاں اور امور میں ایک امتیاز حاصل ہے۔ اس خصوص میں بھی آپؐ ایک حیثیت خصوصی رکھتے ہیں۔ استغفار کا کہیں تو آپؐ کو حکمِ صریح ملا ہے۔ اور وہ بھی مطلق صورت میں، مثلاً

(۳۴) وَاسْتَغْفِرِ اللّٰهَ۔ (النساء۔ ع ۱۶)

اپنے اللہ سے استغفار کیجئے۔

یا

(۳۵) فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ۔ (النصر)

اپنے پروردگار کی حمد کی تسبیح کیجئے، اور اس سے استغفار کیجئے۔

اور کہیں یہ حکم ذنب کے ساتھ مقید و مضاف ہو کر ملا ہے مثلاً

(۳۶) وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ بِالْعَشِیِّ وَالْاِبْكَارِ۔ (المومن۔ ع ۶)

اپنے قصور پر استغفار کیجئے اور شام و صبح (اپنے پروردگار کی) پاکی اور حمد بیان کیجئے۔

یا پھر مثلاً

(۳۷) وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ وَلِلْمُؤْمِنِیْنَ

اپنے قصور پر استغفار کیجئے اور ایمان والوں اور

وَالْمُؤْمِنَاتِ۔ (محمد۔ع ۲) ایمان والیوں کے حق میں بھی۔

اور کہیں مغفرت و رحمت دونوں کی طلب ساتھ کرنے کا حکم ہوا ہے۔

(۳۸) وَقُلْ رَّبِّ اغْفِرْ وَارْحَمْ وَاَنْتَ خَيْرُ الرّٰحِمِيْنَ۔ (المومنون۔ع ۶) اور آپ کہئے کہ اے میرے پروردگار (میری) مغفرت کر اور (مجھ پر) رحم کر، اور تو تو بہترین مہربان ہے۔

کہیں یہ حکم ملا ہے کہ شیطان کے شر اور فتنہ سے پناہ مانگی جائے مثلاً

(۳۹) وَ اِمَّا يَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّيْطٰنِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ۔ (الاعراف۔ع ۲۴) اور اگر آپ کو شیطان کی طرف سے کوئی وسوسہ پہنچنے لگے تو اللہ سے پناہ مانگ لیا کیجئے۔

اور انہیں لفظوں میں دوبارہ بھی یہی حکم ملا ہے،

(۴۰) وَ اِمَّا يَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّيْطٰنِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ۔ (حمٓ السجدہ۔ع ۵) اور اگر آپ کو شیطان کی طرف سے کوئی وسوسہ پہنچنے لگے تو اللہ سے پناہ مانگ لیا کیجئے۔

اور کہیں یہی پناہ مانگنے کا حکم ان لفظوں میں۔

(۴۱) قُلْ رَّبِّ اَعُوْذُبِكَ مِنْ هَمَزٰتِ الشَّيٰطِيْنِ وَ اَعُوْذُبِكَ رَبِّ اَنْ يَّحْضُرُوْنِ۔ (المومنون۔ع ۶) آپ کہئے کہ اے میرے پروردگار میں تجھ سے پناہ مانگتا ہوں شیطان کے وسوسوں سے اور میں پناہ مانگتا ہوں تجھ سے اس سے کہ شیطان میرے پاس بھی آئیں۔

کہیں آپؐ کو یہاں تک ہدایت ہوئی ہے کہ معاصر کافروں پر عذاب کی امکانی آمد سے بھی آپؐ اپنے لئے پناہ مانگیں۔

(۴۲) قُلْ رَّبِّ اِمَّا تُرِيَنِّيْ مَا يُوْعَدُوْنَ آپ کہئے کہ اے میرے پروردگار جس عذاب

رَبِّ فَلَا تَجْعَلْنِیْ فِی الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ۔
(المومنون۔ع ۶)

کے دن کا کافروں سے وعدہ کیا جاتا ہے، اگر تو مجھے دکھا دے تو اے میرے پروردگار مجھے ان ظالم لوگوں میں شامل نہ کیجیو۔

غرض استغفار کا ذکر، دوسرے پیمبروں کے سلسلہ میں بہ صورت حکایت و واقعہ کثرت سے آیا ہے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو استغفار و استعاذہ دونوں کا حکم بہ صراحت بار بار ملا ہے۔

باب (۱۳)

مخالفت، تکذیب و ایذا

پیمبروں کا کام آسان کبھی نہیں رہا ہے۔ اُن کی نرمی، شفقت، اخلاص، نیک خوئی، صلح جوئی، فراست و حسن تدبّر کے باوجود یہ کبھی بھی نہیں ہوا ہے، کہ ان کی راہ تبلیغ ہموار اور بلا رکاوٹ رہی ہو۔ تضحیک و تمسخر، قید و بند، زدو کوب سے اُن کا مقابلہ ہمیشہ کیا گیا ہے، بلکہ نوبت کبھی کبھی تو ان کے قتل تک کی آگئی ہے۔ اور یہ عوامی تخیل، کہ ان کی حفاظت کے لئے ہر وقت فرشتے تعینات رہتے تھے، جو انہیں کسی حال میں ضرر و گزند پہنچنے ہی نہیں دیتے تھے۔ واقعیت اور تاریخیت سے کوئی نسبت ہی نہیں رکھتے۔ قرآن مجید بتاتا ہے کہ انبیاء سے مخالفت اور ان کی راہ میں مزاحمت شروع سے دنیا کا دستور چلا آ رہا ہے۔ ہر پیمبر کے ساتھ معاملہ یہی مخالفت و معاندت کا پیش آتا رہا ہے۔ اور پیمبروں کے خلاف افتراء و بہتان کوئی انوکھی بات ہرگز نہیں۔

(۱) وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا شَيٰطِيْنَ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ يُوْحِيْ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُوْرًا ۭ وَلَوْ شَاۗءَ رَبُّكَ مَا فَعَلُوْهُ فَذَرْهُمْ وَمَا يَفْتَرُوْنَ ۔

(الانعام ۔ ع ۱۴)

اور اسی طرح ہم نے ہر نبی کے دشمن بہت سے شیطان پیدا کر دیئے، انسان اور جنات (دونوں میں سے۔ ایک دوسرے کو چکنی چپڑی باتوں کا وسوسہ ڈالتے رہتے تھے تاکہ ان کو دھوکے میں ڈال دیں اور اگر اللہ کی مشیّت یہی ہوتی تو یہ ایسا نہ کر سکتے سو آپ چھوڑے رہئے ان (معاندین) کو، اور اس افترا پردازی کو جو یہ لوگ کر رہے ہیں۔

اور بے دین، بے اعتقاد، منکرین آخرت اسی طریقے سے اپنے جتھے اور گروہ بنا بنا کر اپنے اسی شغل مخالفت انبیاء میں لگے رہا کرتے ہیں۔ چنانچہ اوپر کی آیت کے معاً بعد اور اسی سے متصل ارشاد ہوا ہے۔

(۲) وَلِتَصۡغٰۤى اِلَيۡهِ اَفۡـِٕدَةُ الَّذِيۡنَ لَا يُؤۡمِنُوۡنَ بِالۡاٰخِرَةِ وَلِيَرۡضَوۡهُ وَلِيَقۡتَرِفُوۡا مَا هُمۡ مُّقۡتَرِفُوۡنَ۔ (ایضاً)

تاکہ اس کی طرف ان لوگوں کے قلوب مائل ہو جائیں جو آخرت پر یقین نہیں رکھتے اور تاکہ اس کو پسند کرلیں اور تاکہ ان امور کے وہ بھی مرتکب ہو جائیں جن کے وہ ہوا کرتے تھے۔

ضد، ہٹ دھرمی اور جمود ان منکروں کے خمیر میں داخل رہے ہیں۔ جہاں ایک دفعہ کلمہ انکار کا ان کی زبان سے نکل گیا، بس اس پر جم جاتے۔ اور اس سے ہٹنا جانتے ہی نہیں۔ حضرت نوحؑ کے بعد کی تاریخ دعوت انبیاءؑ سنئے۔

(۳) ثُمَّ بَعَثۡنَا مِنۡۢ بَعۡدِهٖ رُسُلًا اِلٰى قَوۡمِهِمۡ فَجَآءُوۡهُمۡ بِالۡبَيِّنٰتِ فَمَا كَانُوۡا لِيُؤۡمِنُوۡا بِمَا كَذَّبُوۡا بِهٖ مِنۡ قَبۡلُ ؕ كَذٰلِكَ نَطۡبَعُ عَلٰى قُلُوۡبِ الۡمُعۡتَدِيۡنَ۔ (یونس۔ ع ۸)

پھر نوحؑ کے بعد ہم نے اور پیمبروں کو ان کی قوموں کی طرف بھیجا۔ سو وہ اُن کے پاس نشانیاں لے کر آئے۔ پھر جس چیز کو انہوں نے پہلے جھٹلایا تھا، یہ نہ ہوا کہ پھر اس کو مان لیتے۔ ہم سرکشوں کے دلوں پر اسی طرح بند لگا دیتے ہیں۔

ایسی شدید مخالفتیں یہ منکرین اپنے اپنے زمانہ میں پیمبروں کی کرتے آئے ہیں، کہ خود وہ انبیاءؑ باوجود انتہائی پر اُمید اور مضبوط شخصیتیں رکھنے کے، مایوس ہو ہو اٹھے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے ارشاد ہوا ہے۔

(۴) وَمَاۤ اَرۡسَلۡنَا مِنۡ قَبۡلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوۡحِىۡۤ اِلَيۡهِمۡ مِّنۡ اَهۡلِ الۡقُرٰىؕ .... حَتّٰۤى اِذَا اسۡتَايۡـَٔسَ الرُّسُلُ وَظَنُّوۡۤا

اور ہم نے آپ سے قبل مختلف بستی والوں میں سے جتنے بھیجے سب آدمی ہی تھے جن کی طرف ہم نے وحی بھیجی .... یہاں تک کہ جب پیمبر مایوس

اَنَّهُمْ قَدْ كُذِبُوْا جَآءَهُمْ نَصْرُنَا۔ (یوسف۔ ع ۱۲)

ہو گئے۔ انہیں یہ گمان گزرنے لگا کہ کہیں انہیں سے غلط وعدہ تو نہیں ہوا، تو (اس وقت) انہیں ہماری نصرت پہنچ گئی۔

پیمبروں سے تمسخر، منکرین کی عام عادت، ہر دور میں رہی ہے۔

۵ وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِكَ۔ (الرعد۔ ع ۵)

جو پیمبر آپ سے پیشتر ہو چکے ہیں، تمسخر ان کے ساتھ بھی خوب ہو چکا ہے۔

پیمبروں کی دعوت سے انکار، ان کے پیام کی حقیقت سے انکار، ان سے بات بات پر مقابلہ، یہ ان معاندین کا شیوۂ عام رہا ہے۔ قوم نوحؑ، قوم عاد و ثمود کی تصریح اور دوسری قوموں کے اجمالی ذکر کے بعد ارشاد ہوا ہے۔

۶ جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَرَدُّوْٓا اَيْدِيَهُمْ فِيْٓ اَفْوَاهِهِمْ وَقَالُوْٓا اِنَّا كَفَرْنَا بِمَآ اُرْسِلْتُمْ بِهٖ وَاِنَّا لَفِيْ شَكٍّ مِّمَّا تَدْعُوْنَنَآ اِلَيْهِ مُرِيْبٍ۔ (ابراہیم۔ ع ۲)

ان کے پیمبران کے پاس نشانات لے لے کر آئے، لیکن ان قوموں نے اپنے پیغمبروں کے منہ میں اپنے ہاتھ دے دیئے اور کہنے لگے کہ جو حکم دیکر تمہیں بھیجا گیا ہے ہم اس کے منکر ہیں اور جس امر کی طرف تم ہمیں بلا رہے ہو ہم اس کی طرف سے بڑے تردد میں پڑے ہوئے ہیں۔

بڑا اعتراض ان لوگوں کا اپنے پیمبروں سے یہی رہا ہے کہ تم تو بس ہم ہی جیسے انسان ہو، تو ہادی و رہبر کیسے ہو سکتے ہو؟ تم تو یہی چاہتے ہو، کہ ہمیں ہمارے دین آبائی سے برگشتہ کر کے رہو۔

۷ قَالُوْٓا اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا تُرِيْدُوْنَ اَنْ تَصُدُّوْنَا عَمَّا كَانَ يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَا فَاْتُوْنَا بِسُلْطٰنٍ

وہ بولے کہ تم تو ہم ہی جیسے ایک بشر ہو، یہ چاہتے ہو کہ ہمارے باپ دادا جس چیز کی عبادت کرتے آئے ہیں۔ اس سے ہم کو روک دو۔ سو ہمیں کوئی

مُّبِیْنٍ۔ (ابراہیم۔ ع ۲) کھلا ہوا معجزہ دکھاؤ۔

پیام حق قبول کرنا الگ رہا، اُلٹی انہیں سے یہ فرمائش کرتے تھے، کہ تم اپنے دین جاہلی کی طرف واپس آجاؤ، ورنہ ہم تمہیں شہر بدر کر کے رہیں گے۔

⑧ وَقَالَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا لِرُسُلِہِمْ لَنُخْرِجَنَّکُمْ مِّنْ اَرْضِنَآ اَوْ لَتَعُوْدُنَّ فِیْ مِلَّتِنَا۔ (ابراہیم۔ ع ۳)

اور ان کافروں نے اپنے پیمبروں سے کہا کہ ہم تم کو اپنی سرزمین سے نکال دیں گے، یا یہ کہ تم پھر ہمارے مذہب میں واپس آجاؤ۔

پیمبروں کے ساتھ تمسخر، منکرین کی ایک مستقل، مستمر عادت رہی ہے۔

⑨ وَمَا یَاْتِیْہِمْ مِّنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا کَانُوْا بِہٖ یَسْتَہْزِءُوْنَ ۝ کَذٰلِکَ نَسْلُکُہٗ فِیْ قُلُوْبِ الْمُجْرِمِیْنَ ۝ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِہٖ وَقَدْ خَلَتْ سُنَّۃُ الْاَوَّلِیْنَ۔ (الحجر۔ ع ۱)

اور پیمبروں میں سے کوئی بھی ان کے پاس نہیں آیا، جس سے انہوں نے تمسخر نہ کیا ہو۔ اسی طرح ہم یہ تمسخر مجرموں کے دلوں میں ڈال دیتے ہیں۔ یہ لوگ قرآن پر ایمان نہیں لاتے۔ اور یہ دستور اگلوں سے چلا آرہا ہے۔

استہزاء و تمسخر ان کے لئے گویا ایک جزو غیر منفک رہا ہے، جس کے نتیجے بھی برابر بھگتتے رہے ہیں۔

⑩ وَلَقَدِ اسْتُہْزِئَ بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِکَ فَحَاقَ بِالَّذِیْنَ سَخِرُوْا مِنْہُمْ مَّا کَانُوْا بِہٖ یَسْتَہْزِءُوْنَ۔ (الانبیاء۔ ع ۳)

اور آپ سے پہلے جو پیمبر گزرے ہیں۔ اُن کے ساتھ بھی تمسخر ہوا تھا سو جن لوگوں نے ان سے تمسخر کیا تھا، ان پر وہ عذاب واقع ہو گیا جس کا وہ تمسخر کرتے تھے۔

تکذیب ہر قوم کا شعار، اپنے پیمبروں کے مقابلہ میں رہی ہے کئی ایک قوموں کو نام بنام ذکر کر کے ان کی یہی خصوصیت بیان کر دی گئی ہے۔

⑪ وَاِنْ یُّکَذِّبُوْکَ فَقَدْ کَذَّبَتْ

اور اگر یہ لوگ آپ کی تکذیب کر رہے تو ان

قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوحٍ وَّعَادٌ وَّثَمُودُ وَقَوْمُ إِبْرَاهِيمَ وَقَوْمُ لُوطٍ وَّ أَصْحَابُ مَدْيَنَ وَكُذِّبَ مُوسٰى۔

لوگوں سے پہلے قوم نوح وعاد وثمود اور قوم ابراہیم وقوم لوط اور اہل مدین بھی تکذیب کر چکے ہیں۔ اور موسیٰ کی بھی تکذیب کی جا چکی ہے۔

(الحج۔ ع ۶)

منکروں میں سے ہمیشہ کوئی نہ کوئی دشمن نبیٔ وقت کا پیدا ہوتا رہا ہے۔

(۱۲) وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا مِّنَ الْمُجْرِمِينَ۔ (الفرقان۔ ع ۳)

اور اسی طرح ہم ہر نبی کے دشمن مجرم لوگوں میں سے بناتے رہے ہیں۔

اس مخالفت میں پیش پیش ہر قوم کے بڑے لوگ ہوئے ہیں۔ انہیں کو اپنی مال و دولت اور اپنے جتھے پر بڑا گھمنڈ رہا ہے۔

(۱۳) وَمَا أَرْسَلْنَا فِي قَرْيَةٍ مِّن نَّذِيرٍ إِلَّا قَالَ مُتْرَفُوهَا إِنَّا بِمَا أُرْسِلْتُم بِهِ كَافِرُونَ ○ وَقَالُوا نَحْنُ أَكْثَرُ أَمْوَالًا وَّأَوْلَادًا وَّمَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِينَ۔

(السبا۔ ع ۴)

اور ہم نے جس بستی میں بھی کوئی ڈر سنانے والا بھیجا تو وہاں کے آسودہ حال لوگوں نے یہی کہا کہ ہم ان احکام کے منکر ہیں جنہیں دے کر تم کو بھیجا گیا ہے اور وہ بولے کہ ہم (تم سے) مال و اولاد میں بڑھ کر ہیں اور ہم پر عذاب ہونا ہوانا نہیں۔

بڑی بڑی ترقی یافتہ قومیں شدید مخالف اپنے پیمبروں کی رہی ہیں۔

(۱۴) وَكَذَّبَ الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ وَمَا بَلَغُوا مِعْشَارَ مَا آتَيْنَاهُمْ فَكَذَّبُوا رُسُلِي فَكَيْفَ كَانَ نَكِيرِ۔

(السبا۔ ع ۵)

اور ان سے پہلے جو لوگ گزرے ہیں۔ انہوں نے بھی تکذیب کی ہے، اور یہ (منکرین) تو اس سامان کے دسویں حصہ کو بھی نہیں پہنچے ہیں، جو ہم نے ان کو دے رکھا تھا۔ غرض انہوں نے میرے رسولوں کی تکذیب کی۔ سو میرا عذاب کیسا ہوا۔

رسول اللہ کی تسکین و تسلی کے موقع پر ارشاد ہوا ہے کہ آپ کی تکذیب کوئی نئی بات

تھوڑے ہی ہے۔ یہ تو سارے پیمبروں کی ہوتی رہی ہے۔

(۱۵) وَاِنْ یُّكَذِّبُوْكَ فَقَدْ كُذِّبَتْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ۔ (الفاطر۔ ع ۱)
اور اگر یہ لوگ آپ کو جھٹلا رہے ہیں، تو آپ کے بیشتر بھی (سارے) پیمبر جھٹلائے جا چکے ہیں۔

بعض قوموں کا تو نام لے کر بتایا گیا، اور باقی یہ ارشاد ہوا کہ منکرین تو ہر دور میں اپنے پیمبروں کے مقابلہ میں دست درازی تک پر آمادہ رہے ہیں۔

(۱۶) كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوْحٍ وَّالْاَحْزَابُ مِنْۢ بَعْدِهِمْ وَهَمَّتْ كُلُّ اُمَّةٍۭ بِرَسُوْلِهِمْ لِيَاْخُذُوْهُ وَجَادَلُوْا بِالْبَاطِلِ لِيُدْحِضُوْا بِهِ الْحَقَّ۔ (المومن۔ ع ۱)
ان سے پہلے نوحؑ کی قوم نے اور دوسرے گروہوں نے بھی جو کہ ان کے بعد ہوئے جھٹلایا تھا اور ہر امت نے اپنے پیغمبر کے گرفتار کرنے کا ارادہ کیا اور ناحق کے جھگڑے نکالے، تاکہ اس ناحق سے حق کو باطل کریں۔

ایک بار پھر آپؐ کی تشفی کے لئے آیا ہے، کہ آپؐ کو جو خطابات منکروں سے مل رہے ہیں۔ یہ سب پرانے پیمبروں کو بھی مل چکے ہیں۔

(۱۷) مَا يُقَالُ لَكَ اِلَّا مَا قَدْ قِيْلَ لِلرُّسُلِ مِنْ قَبْلِكَ۔ (حٰمٓ السجدہ۔ ع ۵)
آپ کے لئے تو بس وہی کہا جاتا ہے، جو آپ کے بیشتر رسولوں کے لئے کہا جا چکا ہے۔

تمسخر و استہزاء سے استقبال تو ہر نبیؑ کا ہوتا رہا ہے۔

(۱۸) وَمَا يَاْتِيْهِمْ مِّنْ نَّبِيٍّ اِلَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ۔ (الزخرف۔ ع ۱)
اور کوئی نبی ان کے پاس ایسا آیا ہی نہیں جس سے انہوں نے تمسخر نہ کیا ہو۔

ہر قوم کے مالدار لوگ۔ پیمبروں کے مقابلہ میں، اپنے دین آبائی کی نصرت و حمایت پر اڑے رہے۔

(۱۹) وَكَذٰلِكَ مَاۤ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ فِيْ قَرْيَةٍ مِّنْ نَّذِيْرٍ اِلَّا قَالَ مُتْرَفُوْهَاۤ
اور اسی طرح ہم نے آپ سے پہلے کسی بستی میں کوئی پیمبر نہیں بھیجا، کہ وہاں کے آسودہ حال

اِنَّا وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا عَلٰٓى اُمَّةٍ وَّ اِنَّا عَلٰٓى اٰثٰرِهِمْ مُّقْتَدُوْنَ ..... قَالُوْٓا اِنَّا بِمَآ اُرْسِلْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ۔ (الزخرف ۔ ع ۲)

لوگوں نے یہ نہ کہا ہو کہ ہم نے اپنے باپ دادا کو ایک (خاص) مسلک پر پایا ہے اور ہم انہیں کے پیچھے چلے جا رہے ہیں ...... اور بولے کہ ہم اس کو تو مانتے ہی نہیں جسے دے کر تمہیں بھیجا گیا ہے۔

اپنے پیمبروں کو ساحر و مجنون قرار دینا، قدیم قوموں کا شعار شروع سے چلا آرہا ہے۔

(۲۰) كَذٰلِكَ مَآ اَتَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا قَالُوْا سَاحِرٌ اَوْ مَجْنُوْنٌ ۞ اَتَوَاصَوْا بِهٖ بَلْ هُمْ قَوْمٌ طَاغُوْنَ۔ (الذاریات ۔ ع ۳)

اسی طرح جو لوگ ان سے پہلے گزر چکے ہیں ان کے پاس کوئی پیمبر ایسا نہیں آیا، جس کو انہوں نے ساحر یا مجنون نہ کہا ہو، کیا اس کی ایک دوسرے کو وصیّت یہ کرتے چلے آئے ہیں؟ نہیں بلکہ یہ لوگ ہٹی ہیں سرکش۔

تاریخی قومیں جتنی بھی ہوئی ہیں، سب ہی نے انبیاء وقت کی مخالفت و تکذیب کی ہے۔

(۲۱) كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوْحٍ وَّ اَصْحٰبُ الرَّسِّ وَ ثَمُوْدُ ۞ وَعَادٌ وَّ فِرْعَوْنُ وَ اِخْوَانُ لُوْطٍ ۞ وَّ اَصْحٰبُ الْاَيْكَةِ وَقَوْمُ تُبَّعٍ ؕ كُلٌّ كَذَّبَ الرُّسُلَ۔ (قٓ ۔ ع ۱)

اور ان لوگوں کے قبل قوم نوحؑ اور اصحاب رس، اور ثمود اور عاد اور فرعون اور قوم لوط اور اصحاب ایکہ اور قوم تبع، (سب ہی) پیمبروں کی تکذیب کر چکے ہیں۔

مشرکوں کی سمجھ میں یہ بات بھی کبھی نہ آئی، کہ کوئی بشر بشر ہو کر بھی رہنمائے بشر اور فرستادۂ الٰہی ہو سکتا ہے۔ اصل مقابلہ اپنے پیمبروں سے وہ اسی محاذ پر کرتے رہے۔ اور اسی کے انکار و تردید میں لگے رہے۔

(۲۲) ذٰلِكَ بِاَنَّهٗ كَانَتْ تَّاْتِيْهِمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَقَالُوْٓا اَبَشَرٌ يَّهْدُوْنَنَا فَكَفَرُوْا وَتَوَلَّوْا۔ (التغابن ۔ ع ۱)

یہ اس لئے ہوا کہ ان (منکروں کے پاس جب ان کے پیمبر نشانات لے کر آئے، تو یہ بولے کہ کیا ہماری ہدایت ایک بشر کرے گا؟ تو انہوں نے اس سے انکار کیا، اور روگرداں رہے۔

ایک مختصر جامع فقرے میں پیمبروں کی زبان سے ان تمام اذیتوں کی طرف اذیتوں کی طرف اشارہ کرا یا گیا ہے، جو معاندوں کے ہاتھ سے انہیں ہر دور میں پہنچتی رہی ہیں۔ ظالموں کو مخاطب کر کے ان صابر بزرگوں کی زبان سے ارشاد ہوا ہے۔

(۲۳) وَلَنَصْبِرَنَّ عَلٰى مَآ اٰذَيْتُمُوْنَا۔ (ابراہیم ۔ ع ۱)

اور ہم تو صبر ہی کریں گے ایذا پر جو تم ہمیں پہنچاتے رہے ہو۔

سب سے بڑھ کر یہ کہ منکروں نے اپنے پیمبروں کو قتل و ہلاک تک کر ڈالا، خود اپنے ہی قانون وضابطہ کو توڑ کر۔ قرآن مجید نے یہ حکایت بار بار بیان کی ہے۔ خصوصاً قوم اسرائیل کے سلسلہ میں۔

اس قوم کی مسلسل بدکرداریوں اور نافرمانیوں کی تاریخ کے سلسلے میں ایک بار نہیں کئی بار برائے نام لفظی اختلاف کے ساتھ دلایا گیا ہے، کہ

(۲۴) وَيَقْتُلُوْنَ النَّبِيّٖنَ بِغَيْرِ الْحَقِّ۔ (البقرۃ ۔ ع ۷)

وہ اپنے پیمبروں کو (خود اپنے معیار سے بھی) ناحق و بے قصور قتل کرتے رہے ہیں۔

(۲۵) وَيَقْتُلُوْنَ النَّبِيّٖنَ بِغَيْرِ الْحَقِّ۔ (آل عمران ۔ ع ۳)

" "

(۲۶) وَيَقْتُلُوْنَ الْاَنْۢبِيَآءَ بِغَيْرِ حَقٍّ۔ (آل عمران ۔ ع ۱۲)

وہ اپنے پیمبروں کو (خود اپنے معیار سے بھی) ناحق و بے قصور قتل کرتے رہے ہیں۔

(۲۷) وَقَتْلَهُمُ الْاَنْۢبِيَآءَ بِغَيْرِ

وہ اپنے پیمبروں کو (خود اپنے معیار سے بھی)

حَقٍّ۔ (النساء - ع ۲۲) ناحق و بے قصور قتل کرتے رہے ہیں۔

اور کہیں بطور حجت الزامی کے اسرائیلیوں سے سوال کیا گیا ہے اگر تم نبوت کے قائل رہے ہو۔

(۲۸) فَلِمَ تَقْتُلُوْنَ اَنْۢبِيَآءَ اللّٰهِ۔ تو آخر انبیاء الٰہی کو قتل کیسے کرتے رہے ہیں۔

(البقرۃ - ع ۱۱)

اور کبھی اس صورت میں کہ

(۲۹) فَفَرِيْقًا كَذَّبْتُمْ وَفَرِيْقًا تَقْتُلُوْنَ۔ پیمبروں کے ایک گروہ کی تم نے تکذیب کی، اور ایک گروہ کو تو قتل ہی کر ڈالا۔

(البقرۃ - ع ۱۱)

مجموعی طور پر گروہ انبیاء کو نفرت و عداوت کا کس طرح ہدف بنے رہنا پڑا ہے، اس کا ذکر ہو چکا۔ اور اثبات مقصود کے لئے وہی بالکل کافی ہے۔ لیکن قرآن مجید میں تصریحات اس سے بھی بڑھ کر مذکور ہیں۔ اور متعدد پیمبروں کے نام لے لے کر اس ظلم و زیادتی کا ذکر آیا ہے، جو ان کی قوم والوں نے ان پر روا رکھی ہے۔

حضرت نوحؑ کی صریح تکذیب کی گئی،

(۳۰) (۳۱) فَكَذَّبُوْهُ فَاَنْجَيْنٰهُ۔ (نوحؑ) کو ان کی قوم نے جھٹلایا، پھر ہم نے (نوحؑ کو) نجات دے دی۔

(الاعراف - ع ۸) - (یونس - ع ۸)

اور ان کی قوم والوں نے رد در رد ان سے سخت گستاخانہ گفتگو کی،

(۳۲) فَقَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ مَا نَرٰىكَ اِلَّا بَشَرًا مِّثْلَنَا وَمَا نَرٰىكَ اتَّبَعَكَ اِلَّا الَّذِيْنَ هُمْ اَرَاذِلُنَا بَادِيَ الرَّاْيِ وَمَا نَرٰى لَكُمْ عَلَيْنَا مِنْ فَضْلٍ بَلْ نَظُنُّكُمْ كٰذِبِيْنَ۔ ان کی قوم میں کافروں کے جو سردار تھے وہ (نوحؑ سے) بولے کہ ہم تو بس اپنا ہی جیسا ایک انسان دیکھتے ہیں، اور ہم دیکھتے ہیں کہ تمہاری پیروی انہیں لوگوں نے کی ہے جو ہم میں بالکل رذیل ہیں، اور وہ بھی بالکل رذیل ہیں اور وہ بھی بالکل

(ہود - ع ۳)

سرسری۔ اور ہم تم لوگوں میں کوئی بات بھی اپنے
سے زیادہ نہیں پاتے، اور ہم تو تم کو جھوٹا ہی سمجھتے ہیں۔

اور آخر میں انہوں نے آپؑ کو چیلنج بھی پورے گستاخانہ دم خم کے ساتھ کیا ہے۔

(۳۳) قَالُوْا یٰنُوْحُ قَدْ جٰدَلْتَنَا فَاَكْثَرْتَ جِدَالَنَا فَاْتِنَا بِمَا تَعِدُنَآ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ۔ (ہود۔ ع ۳)

وہ لوگ بولے کہ اے نوحؑ تم ہم سے بحث کر چکے اور بحث بھی بہت کر چکے، سو وہ (عذاب) ہم پر لے آؤ، جس کی دھمکی ہم کو دیا کرتے ہو، اگر سچے ہو۔

حضرت نوحؑ نے خود بھی عاجز آکر ان سے یہی کہا کہ اچھا تم کر گزرو، جو کچھ تمہارے بس میں ہو۔

(۳۴) یٰقَوْمِ اِنْ كَانَ كَبُرَ عَلَيْكُمْ مَّقَامِىْ وَتَذْكِيْرِىْ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ فَعَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْتُ فَاَجْمِعُوْٓا اَمْرَكُمْ وَشُرَكَآءَكُمْ ثُمَّ لَا يَكُنْ اَمْرُكُمْ عَلَيْكُمْ غُمَّةً ثُمَّ اقْضُوْٓا اِلَىَّ وَلَا تُنْظِرُوْنِ۔ (یونس۔ ع ۸)

اے میری قوم، اگر تم کو میرا رہنا اور احکام خداوندی کی نصیحت کرنا گراں گزرتا ہے۔ تو میرا اللہ ہی پر بھروسا ہے، سو تم اور تمہارے شریک اپنی تدبیر پختہ کر لیں، پھر وہ تدبیر تم میں سے کسی پر مخفی نہ رہے، پھر اسے میرے ساتھ کر گزرو، اور مجھے مہلت نہ دو۔

آپؑ پر ایمان، آپؑ کی قوم میں سے بس کچھ ہی لوگ لائے۔ باقی سب تکذیب و انکار ہی میں مبتلا رہے۔

(۳۵) وَمَآ اٰمَنَ مَعَهٗٓ اِلَّا قَلِيْلٌ۔ (ہود۔ ع ۴)

اور ان کے ساتھ کوئی بھی ایمان نہ لایا بجز تھوڑے سے آدمیوں کے۔

پھر جب آپؑ کو طوفان و سیلاب سے بچنے کے لئے کشتی بنانے کا حکم ہوا، تو آپؑ کی قوم کے بڑے لوگ جب ادھر سے گزرے، تو الٹی آپؑ پر ہنسی کرتے۔

(۳۶) وَكُلَّمَا مَرَّ عَلَيْهِ مَلَأٌ مِّنْ قَوْمِهِ سَخِرُوا مِنْهُ ۔ (ایضًا)

اور جب کبھی ان کی قوم کے سرداران پر سے گزرتے، تو ان سے مسخرہ پن کرتے۔

آپؑ بہ حیثیت مجموعی، اپنی قوم کے ہاتھ سے سخت بلا میں مبتلا رہے بالآخر وہ سب بدکردار و مکذب غرق ہوئے، اور آپؑ کو گروہ مومنین کے ساتھ نجات حاصل ہوئی۔

(۳۷) فَنَجَّيْنَاهُ وَأَهْلَهُ مِنَ الْكَرْبِ الْعَظِيمِ وَنَصَرْنَاهُ مِنَ الْقَوْمِ الَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا ۚ إِنَّهُمْ كَانُوا قَوْمَ سَوْءٍ فَأَغْرَقْنَاهُمْ أَجْمَعِينَ ۔ (الانبیاء ۔ ع ۶)

تو ہم نے نوحؑ کو اور ان ساتھیوں کو بڑے دکھ سے نجات دی اور ہم نے ان کا انتقام ایسے لوگوں سے لیا، جو ہماری نشانیوں کو جھٹلاتے رہتے تھے۔ اور وہ بہت بُرے لوگ تھے سو ہم نے ان سب کو غرق کر دیا۔

قوم کے بڑے لوگوں نے عجب عجب سفیہانہ اعتراضات آپ کی ذات پر وارد کئے۔ اور اس کے آپس میں خوب چرچے کئے۔

(۳۸) فَقَالَ الْمَلَأُ الَّذِينَ كَفَرُوا مِن قَوْمِهِ مَا هَٰذَا إِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُرِيدُ أَن يَتَفَضَّلَ عَلَيْكُمْ وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَأَنزَلَ مَلَائِكَةً مَّا سَمِعْنَا بِهَٰذَا فِي آبَائِنَا الْأَوَّلِينَ إِنْ هُوَ إِلَّا رَجُلٌ بِهِ جِنَّةٌ فَتَرَبَّصُوا بِهِ حَتَّىٰ حِينٍ ۔ (المومنون ۔ ع ۲)

ان کی قوم کے سرداروں میں سے جو کافر تھے، وہ بولے کہ یہ شخص اور ہے کیا بجز اس کے کہ تمہارا ہی سا ایک بشر ہے۔ چاہتا یہ ہے کہ تم سے برتر ہو کر رہے۔ اور اگر خدا کو واقعی منظور ہوتا، تو فرشتے ہی نہ اُتارتا۔ ہم نے تو یہ بات (کبھی) اپنے اگلے بڑوں میں سُنی نہیں۔ یہ تو بس ایک شخص ہے جس کو جنون ہو گیا ہے۔

اور آپ سے کھلم کھلا حقارت کے لہجہ میں کہا۔

(۳۹) قَالُوا أَنُؤْمِنُ لَكَ وَاتَّبَعَكَ الْأَرْذَلُونَ ۔ (الشعراء ۔ ع ۶)

کیا ہم ایمان لائیں تم پر، اور تمہارے ذلیل پیرووں پر؟

آپؑ کی قوم آپؑ کی پوری تکذیب، تفضیح و توہین پر تلی رہی۔

(۴۰) كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوحٍ فَكَذَّبُوا عَبْدَنَا وَقَالُوا مَجْنُونٌ وَازْدُجِرَ۔ (القمر۔ ع۱)

ان لوگوں سے پہلے قوم نوحؑ نے تکذیب کی یعنی ہمارے بندۂ (خاص) کی تکذیب کی۔ اور کہا کہ یہ مجنون ہیں۔ اور (نوحؑ کو) دھمکی دی گئی۔

آپؑ نے عمر طویل ترین پائی۔ اسی کے لحاظ سے آپؑ کو مدت تبلیغ بھی ملی۔ لیکن نتیجہ آپؑ کی ساری دسعی مشقت کا کچھ بھی نہ نکلا۔ گو آپؑ نے کوئی دقیقہ خفیہ و علانیہ تبلیغ کا اٹھا نہ رکھا۔

(۴۱) قَالَ رَبِّ إِنِّي دَعَوْتُ قَوْمِي لَيْلًا وَنَهَارًا ۝ فَلَمْ يَزِدْهُمْ دُعَاءِي إِلَّا فِرَارًا ۝ وَإِنِّي كُلَّمَا دَعَوْتُهُمْ لِتَغْفِرَ لَهُمْ جَعَلُوا أَصَابِعَهُمْ فِي آذَانِهِمْ وَاسْتَغْشَوْا ثِيَابَهُمْ وَأَصَرُّوا وَاسْتَكْبَرُوا اسْتِكْبَارًا۔ (نوحؑ۔ ع۱)

(نوحؑ نے) عرض کی کہ اے میرے پروردگار میں نے اپنی قوم کو دعوت رات میں بھی دی اور دن کو بھی۔ لیکن میری دعوت پر وہ اور زیادہ ہی بھاگتے رہے اور جب جب میں نے انہیں دعوت دی، تاکہ تو انہیں بخش دے، تو ان لوگوں نے اپنے کانوں میں انگلیاں دے لیں۔ اور اپنے کپڑے (اپنے اوپر) لپیٹ لئے اور اڑے رہے۔ اور بڑی ہی اپنی بڑائی جتائی!

یہ سرکش و شامت زدہ لوگ اپنے پیمبر سے برابر مقابلہ ہی کرتے گئے۔ اور آپؑ کو مجبوراً بارگاہ الٰہی میں یوں عرض کرنا پڑا۔

(۴۲) رَبِّ إِنَّهُمْ عَصَوْنِي وَاتَّبَعُوا مَنْ لَمْ يَزِدْهُ مَالُهُ وَوَلَدُهُ إِلَّا خَسَارًا ۝ وَمَكَرُوا مَكْرًا كُبَّارًا۔ (نوحؑ۔ ع۲)

کہ اے میرے پروردگار، ان لوگوں نے میری نافرمانی (ہی) کی، اور پیروی ایسوں کی کرتے رہے، جن کے مال اور اولاد نے انہیں اور نقصان پہنچایا اور انہوں نے بڑی بڑی چالیں

چل ڈالیں۔

پیمبروں کا حلم مثالی و معیاری ہوتا ہے۔ لیکن ہر بشری قوت و صلاحیت کی طرح، حلم کی بھی ایک حد و نہایت ہوتی ہے۔ آخر جب نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ قوم کے غنڈے اور بدمعاش آپؑ کو آزارِ جسمانی دے کر آپ کا کام ہی تمام کر ڈالنے پر آ گئے۔ چنانچہ وہ لوگ۔۔

(۴۳) قَالُوا لَئِن لَّمْ تَنتَهِ يَا نُوحُ لَتَكُونَنَّ مِنَ الْمَرْجُومِينَ۔ — بولے کہ اے نوحؑ اگر تم باز نہ آئے، تو ضرور ہی سنگسار کر دیئے جاؤ گے۔

(الشعرآء۔ ع ۶)

تو مجبور و مضطر ہو کر آپؑ کو بھی ان کے حق میں دعائے بد کرنا پڑی۔

(۴۴) قَالَ رَبِّ إِنَّ قَوْمِي كَذَّبُونِ فَافْتَحْ بَيْنِي وَبَيْنَهُمْ فَتْحًا۔ — (نوحؑ نے) عرض کی کہ اے میرے پروردگار میری قوم مجھے جھٹلاتے ہی چلی جا رہی ہے تو تو میرے اور ان کے درمیان فیصلہ ہی کر دے۔

(ایضاً)

(۴۵) فَدَعَا رَبَّهُ أَنِّي مَغْلُوبٌ فَانتَصِرْ۔ (القمر۔ ع ۲) — (نوحؑ نے) اپنے پروردگار سے دعا کی کہ میں درماندہ ہوں۔ تو تو ہی انتقام لے لے۔

(۴۶) قَالَ رَبِّ انصُرْنِي بِمَا كَذَّبُونِ۔ — (نوحؑ نے) عرض کی کہ اے میرے پروردگار، تو بدلہ لے لے، کہ یہ مجھے جھٹلاتے ہی جاتے ہیں۔

(المومنون۔ ع ۲)

(۴۷) وَلَا تَزِدِ الظَّالِمِينَ إِلَّا ضَلَالًا۔ — (اے میرے پروردگار) ان نافرمانیوں کی گمراہی اور بڑھا ہی دیجیو۔

(نوحؑ۔ ع ۲)

(۴۸) وَقَالَ نُوحٌ رَّبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْأَرْضِ مِنَ الْكَافِرِينَ دَيَّارًا۔ (ایضاً) — نوحؑ نے عرض کی کہ اے میرے پروردگار ان کافروں میں سے ایک بھی زمین پر بسنے والا مت چھوڑیو۔

(۴۹) وَلَا تَزِدِ الظَّالِمِينَ إِلَّا تَبَارًا۔ (ایضاً) — اور ان نافرمانوں کی ہلاکت کو بڑھا بھی دیجیو۔

نوحؑ کے بعد ایک قدیم ترین نبیِّ جلیل حضرت ابراہیم خلیلؑ گزرے ہیں آپؑ کی دعوت

توحید کا جواب آپؑ کی قوم نے یہی دیا، کہ انہیں مار ڈالو، یا آگ میں جھونک دو۔

۵۰ فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهِ إِلَّا أَنْ قَالُوا اقْتُلُوهُ أَوْ حَرِّقُوهُ۔ (العنکبوت۔ ع ۳)

ان کی قوم کا تو بس یہی جواب تھا، کہ آپس میں بولے کہ انہیں مار ڈالو یا انہیں (آگ میں) جلا دو۔

اور تو اور خود آپؑ کے والد بھی آپؑ کی جان کے لاگو ہو گئے، اور بولے تو یہ بولے۔

۵۱ أَرَاغِبٌ أَنْتَ عَنْ آلِهَتِي يَا إِبْرَاهِيمُ لَئِنْ لَمْ تَنْتَهِ لَأَرْجُمَنَّكَ وَاهْجُرْنِي مَلِيًّا۔ (مریم۔ ع ۳)

اے ابراہیم، کیا تم میرے معبودوں سے پھرے ہوئے ہو؟ اگر تم باز نہ آئے تو میں تم پر پتھراؤ کر دوں گا۔ اور تم مجھ سے ہمیشہ ہمیش کے لئے دور رہو۔

قوم نے بالآخر یہی طے کیا، کہ آپؑ کو جلتی آگ کی بھٹی میں ڈال دیا جائے کہ دیوتاؤں کی حمایت و نصرت کا یہی ایک طریق ہے۔ چنانچہ اس پر عمل بھی کیا۔ گو آپؑ کو اللہ نے اپنی قدرت سے محفوظ رکھا، اور منکرین اپنا سا منہ لے کر رہ گئے۔

۵۲ قَالُوا حَرِّقُوهُ وَانْصُرُوا آلِهَتَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ فَاعِلِينَ قُلْنَا يَا نَارُ كُونِي بَرْدًا وَسَلَامًا عَلَىٰ إِبْرَاهِيمَ ۝ وَأَرَادُوا بِهِ كَيْدًا فَجَعَلْنَاهُمُ الْأَخْسَرِينَ۔ (الانبیاء۔ ع ۵)

وہ لوگ بولے کہ ان کو آگ میں جلا دو اور اپنے دیوتاؤں کا بدلہ لے لو اگر تمہیں کچھ کرنا ہے۔ ہم نے حکم دیا اے آگ تو ٹھنڈی اور باعث سلامتی ہو جا ابراہیم کے حق میں اور ان لوگوں نے ابراہیم کو گزند پہنچانا چاہا، تو ہم نے انہیں کو ناکام کر دیا۔

آپؑ کے بھتیجے لوطؑ نبی تھے۔ ان کا استقبال بھی حسبِ معمول تکذیب ہی سے ہوا۔

۵۳ كَذَّبَتْ قَوْمُ لُوطٍ بِالنُّذُرِ۔ (القمر۔ ع ۲)

قوم لوطؑ نے بھی ڈرانے والوں کی تکذیب کی۔

اور آپس میں یہ ٹھانی کہ انہیں شہر بدر کر دیا جائے۔

۵۴ فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖٓ اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا اَخْرِجُوْٓا اٰلَ لُوْطٍ مِّنْ قَرْيَتِكُمْ اِنَّهُمْ اُنَاسٌ يَّتَطَهَّرُوْنَ ۔

ان لوگوں کے پاس بس یہی جواب تھا کہ آپس میں کہنے لگے، کہ لوطؑ والوں کو اپنی بستی سے نکال باہر کرو۔ یہ لوگ بڑے پاک صاف بنتے ہیں۔

(النمل ۔ ع ۴)

اور اپنے اس مطالبہ اخراج از وطن کو آپؑ کے سامنے پوری ڈھٹائی سے پیش کیا۔

۵۵ قَالُوْا لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهِ يٰلُوْطُ لَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُخْرَجِيْنَ ۔

وہ لوگ بولے کہ اے لوطؑ اگر تم باز نہ آئے، تو ضرور تم جلاوطن ہو کر رہو گے۔

(الشعرآء ۔ ع ۹)

پیمبر کی عزّت و تکریم کیا معنی، آپؑ کی امت کے لوگ برابر آپؑ کی توہین و تفضیح پر تلے ہوئے تھے۔ چنانچہ ایک بار جب آپؑ کے ہاں کچھ مہمان خوش شکل لڑکوں کی صورت میں آئے اور آپؑ کے اوباش صفت ہم قوم آپؑ کے پاس یلغار کر کے آئے۔ تو آپؑ نے اپنی زبان سے فرمایا بھی یہی۔

۵۶ قَالَ اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ ضَيْفِيْ فَلَا تَفْضَحُوْنِ ۔ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَلَا تُخْزُوْنِ۔

(الحجر ۔ ع ۵)

آپ نے کہا کہ یہ تو میرے مہمان ہیں تو تم مجھے فضیحت نہ کرو۔ اور اللہ سے ڈرو اور مجھے رسوا نہ کرو۔

قدیم پیمبروں میں سے ایک حضرت ہودؑ ہوئے ہیں۔ جو قوم عاد کی طرف بھیجے گئے تھے۔ آپؑ کی بھی دعوت کا جواب قوم کی طرف سے تکذیب اور گستاخانہ تکذیب کی صورت میں ملا۔ چنانچہ وہ بولے۔

۵۷ اِنَّا لَنَرٰىكَ فِيْ سَفَاهَةٍ وَّاِنَّا لَنَظُنُّكَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ۔ (الاعراف ۔ ع ۹)

ہم تو تم کو بے عقلی میں دیکھتے ہیں اور تم کو بے شک جھوٹوں میں سمجھتے ہیں۔

بلکہ وہ دیدہ دلیری سے بولے۔

(۵۸) فَأْتِنَا بِمَا تَعِدُنَآ إِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۔ (الاعراف ع ۱۰ ۔ الاحقاف ع ۳) | تو جس (عذاب) کی دھمکی دیتے ہو، وہ لے آؤ نہ ۔ اگر تم سچے ہو ۔

اور جہل و جمود کی چٹان پہ قدم جما کر یوں گویا ہوئے ۔

(۵۹) يٰهُوْدُ مَا جِئْتَنَا بِبَيِّنَةٍ وَّمَا نَحْنُ بِتَارِكِيْٓ اٰلِهَتِنَا عَنْ قَوْلِكَ وَمَا نَحْنُ لَكَ بِمُؤْمِنِيْنَ ۝ إِنْ نَّقُوْلُ إِلَّا اعْتَرٰىكَ بَعْضُ اٰلِهَتِنَا بِسُوْٓءٍ ۔ (ہود ۔ ع ۵) | اے ہود تم ہمارے سامنے کوئی نشان نو لائے نہیں ۔ ہم نہ تو تمہارے کہنے سے اپنے معبودوں کو چھوڑنے والے ہیں اور نہ ہم تم پر ایمان لانے والے ہیں ہم تو یہی کہیں گے کہ ہمارے معبودوں میں سے کسی نے تم کو کسی خرابی میں مبتلا کر دیا ہے ۔

اور اس سے بڑھ کر ڈھٹائی ملاحظہ ہو ۔

(۶۰) قَالُوْا سَوَآءٌ عَلَيْنَآ أَوَعَظْتَ أَمْ لَمْ تَكُنْ مِّنَ الْوٰعِظِيْنَ ۝ إِنْ هٰذَآ إِلَّا خُلُقُ الْأَوَّلِيْنَ ۔ (الشعراء ع) | بولے کہ ہمارے لئے یکساں ہے ۔ تم نصیحت کرو یا نہ کرو (ہم بہرحال سننے کے نہیں) یہ (نصیحت) تو بس اگلوں کی ایک (عام) عادت ہے ۔

غرض یہ کہ یہ قوم برابر نافرمانی و سرکشی پہ اڑی رہی ۔

(۶۱) تِلْكَ عَادٌ جَحَدُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ وَعَصَوْا رُسُلَهٗ ۔ (ہود ۔ ع ۵) | یہ تھی (قوم) عاد جو اپنے پروردگار کی نشانیوں کا انکار کرتی گئی ۔ اور اپنے رسولوں کی نافرمانی کرتی رہی ۔

حضرت ہودؑ کے بعد ہی دوسرے نبی بزرگ حضرت صالحؑ ہوئے ہیں جن کی مخاطب قوم ثمود تھی ۔ آپؑ کا استقبال بھی ٹھیک ایسی ہی گستاخیوں سے ہوا ۔

(۶۲) وَعَتَوْا عَنْ أَمْرِ رَبِّهِمْ وَقَالُوْا يٰصٰلِحُ ائْتِنَا بِمَا تَعِدُنَآ إِنْ كُنْتَ | یہ لوگ اپنے پروردگار کے حکم سے سرتابی بھی کرتے رہے اور بولے کہ اے صالح ، جس (عذاب)

مِنَ الْمُرْسَلِیْنَ۔ (الاعراف ع ۱۰) کی دھمکی دیتے ہو، وہ لے آؤ نہ اگر تم (واقعی) پیمبر ہو۔

پہلے بے یقینی اور استعجاب سے آپؑ کی دعوت کو سنا اور بولے تو یہ بولے کہ ہمیں تو اس کا یقین ہے ہی نہیں۔

(۶۳) قَالُوْا یٰصٰلِحُ قَدْ کُنْتَ فِیْنَا مَرْجُوًّا قَبْلَ ھٰذَآ اَتَنْھٰنَآ اَنْ نَّعْبُدَ مَا یَعْبُدُ اٰبَآؤُنَا وَ اِنَّنَا لَفِیْ شَکٍّ مِّمَّا تَدْعُوْنَآ اِلَیْهِ مُرِیْبٍ۔ (ہود۔ ع ۶)

بولے، اے صالح تم تو اس کے قبل ہم میں بڑے ہونہار تھے۔ کیا تم ہم کو ان معبودوں کی عبادت سے روکتے ہو جن کی عبادت ہمارے بڑے کرتے آئے ہیں۔ اور جس دین کی طرف تم ہم کو بلا رہے ہو، ہم تو اس کی طرف سے بڑے شک اور تردد میں پڑے ہوئے ہیں۔

پھر گستاخانہ انکار میں اور ترقی ہی ہوتی گئی۔

(۶۴) قَالُوْا اِنَّمَآ اَنْتَ مِنَ الْمُسَحَّرِیْنَ مَآ اَنْتَ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا فَاْتِ بِاٰیَةٍ اِنْ کُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِیْنَ۔ (الشعراء۔ ع ۸)

بولے کہ تم پر تو کسی نے بڑا بھاری جادو کر دیا ہے، تم تو بس ہمارے ہی جیسے ایک بشر ہو۔ کوئی معجزہ لے کر آؤ اگر اپنے دعوے میں سچے ہو۔

ان کی گستاخیاں بڑھتی ہی چلی گئیں۔

(۶۵) قَالُوا اطَّیَّرْنَا بِکَ وَ بِمَنْ مَّعَکَ۔ (النمل۔ ع ۴)

بولے کہ ہم تو تم کو اور تمہارے ساتھیوں کو منحوس ہی سمجھتے ہیں۔

اپنی والی چالیں طرح طرح کی اپنے پیمبر کے مقابلہ میں چلے۔ یہاں تک کہ خدائی تدبیر نے بالآخر ان کا قلع قمع کر دیا۔

(۶۶) وَ مَکَرُوْا مَکْرًا وَّ مَکَرْنَا

اور وہ بھی ایک چال چلے۔ اور ہم بھی ایک چال

مَكْرًا وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ۔ (النمل ع۴)

چلے۔ ان کو اس کی خبر بھی نہ ہوئی۔

پیمبر کے مقابلہ میں تکذیب کے ساتھ ساتھ ان کی زبان کی بدلگامی بھی انتہا کو پہنچ گئی۔

(۶۷) كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ بِالنُّذُرِ ○ فَقَالُوْٓا اَبَشَرًا مِّنَّا وَاحِدًا نَّتَّبِعُهٗٓ اِنَّآ اِذًا لَّفِيْ ضَلٰلٍ وَّسُعُرٍ ○ ءَاُلْقِيَ الذِّكْرُ عَلَيْهِ مِنْۢ بَيْنِنَا بَلْ هُوَ كَذَّابٌ اَشِرٌ۔ (القمر۔ ع ۲)

ثمود نے پیمبروں کی تکذیب کی اور بولے کہ کیا ہم ایسے شخص کی پیروی کرنے لگیں جو ہماری ہی جنس کا آدمی ہے اور اکیلا ہے۔ ایسا ہوا تو ہم بڑی ہی غلطی اور جنون میں پڑ کر رہے۔ کیا ہم سب میں وحی بس اسی پر نازل ہوئی ہے؟ نہیں بلکہ یہ شخص بڑا جھوٹا اور شیخی باز ہے۔

آخر ایک اونٹنی بہ طور معجزہ کے ان کے سامنے لائی گئی۔ اس کی قدر انہوں نے یہ کی، کہ الٹا اُسی کو ذبح کر ڈالا، اور اسی کے ساتھ اپنا خاتمہ بھی بلا لیا۔

(۶۸) كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ بِطَغْوٰىهَآ اِذِ انْۢبَعَثَ اَشْقٰىهَا فَقَالَ لَهُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ نَاقَةَ اللّٰهِ وَسُقْيٰهَا فَكَذَّبُوْهُ فَعَقَرُوْهَا فَدَمْدَمَ عَلَيْهِمْ رَبُّهُمْ بِذَنْۢبِهِمْ فَسَوّٰىهَا۔ (الشمس)

قوم ثمود نے اپنی سرکشی کی بنا پر تکذیب کی، جبکہ اس قوم کا سب سے بڑا بدذات اٹھ کھڑا ہوا۔ اس پر اللہ کے پیغمبر نے ان سے کہا کہ یہ اللہ کی اونٹنی ہے۔ اور اس کے پانی پینے سے خبردار رہنا لیکن انہوں نے پیغمبر کو جھٹلایا، اور اس اونٹنی کو ہلاک کر ڈالا تو ان کے پروردگار نے اس معصیت کے سبب اُن پر ہلاکت نازل کی۔ اور اسے ان پر پھیلا دیا۔

ایک قدیم پیغمبر حضرت شعیبؑ ہوئے ہیں۔ جن کی بعثت مدین والوں کی طرف ہوئی تھی۔ آپؑ کی قوم بھی ویسی ہی منکر و مکذّب و معاند نکلی۔ زعم و استکبار کے ساتھ یہ لوگ بولے کہ ہم تمہاری ہستی ہی کیا سمجھتے ہیں تمہارے قبیلہ کا تھوڑا بہت لحاظ ہے، ورنہ ہم تو تمہیں سنگسار کر کے چھوڑتے۔

(۶۹) قَالُوْا يٰشُعَيْبُ مَا نَفْقَهُ كَثِيْرًا مِّمَّا تَقُوْلُ وَاِنَّا لَنَرٰىكَ فِيْنَا ضَعِيْفًا وَلَوْلَا رَهْطُكَ لَرَجَمْنٰكَ وَمَآ اَنْتَ عَلَيْنَا بِعَزِيْزٍ۔ (ہود۔ ع ۸)

وہ بولے کہ اے شعیب، تمہاری کہی ہوئی باتیں بہت سی تو ہماری سمجھ میں آتی نہیں اور ہم تم کو اپنے درمیان میں کمزور دیکھ رہے ہیں۔ تمہارے کنبہ کا پاس نہ ہوتا تو ہم تو تم پر پتھراؤ کر چکے ہوتے اور تم کچھ ہم پر زبردست تو ہو نہیں۔

کبھی اس سنگساری کے علاوہ، دھمکی جلا وطنی کی بھی ملتی۔

(۷۰) لَنُخْرِجَنَّكَ يٰشُعَيْبُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَكَ مِنْ قَرْيَتِنَآ اَوْ لَتَعُوْدُنَّ فِيْ مِلَّتِنَا۔ (الاعراف۔ ع ۱۱)

اے شعیب، ہم تم کو اور تم پر ایمان لانے والے تمہارے ساتھیوں کو اپنی بستی سے نکال کر رہیں گے۔ نہیں تو تم ہمارے مذہب کی طرف واپس آجاؤ۔

اور کبھی یہ کہنے لگتے، کہ تم اچھے خاصے سحر زدہ ہو، اور ہمارے ہی جیسے بس ایک بشر۔ اور اگر ایسے ہی بڑے سچے ہو۔ تو لاؤ۔ یہ کر دکہ آسمان ہمارے اوپر پھٹ پڑے۔

(۷۱) قَالُوْٓا اِنَّمَآ اَنْتَ مِنَ الْمُسَحَّرِيْنَ وَمَآ اَنْتَ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا وَاِنْ نَّظُنُّكَ لَمِنَ الْكٰذِبِيْنَ فَاَسْقِطْ عَلَيْنَا كِسَفًا مِّنَ السَّمَآءِ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ۔ (الشعراء۔ ع ۱۰)

بولے کہ تم تو جادو کے مارے ہوئے ہو، اور بجز اس کے اور ہو کیا کہ ہم ہی جیسے ایک بشر ہو۔ ہم تو تمہیں جھوٹا ہی سمجھتے ہیں۔ اور اگر سچے ہو، تو ہمارے اوپر ایک ٹکڑا آسمان سے گرا کر دکھاؤ۔

غرض گستاخیوں، بدزبانیوں، بدسلوکیوں کا کوئی دقیقہ ایسا نہیں جو بزرگوں کے بزرگ پیمبروں کے حق میں نالائقوں نے اٹھا رکھا ہو،

حضرت موسیٰؑ کو سلسلۂ انبیاءؑ میں جو امتیاز خصوصی حاصل ہے، اس سے کون ناواقف ہے؟ لیکن آپؑ کی جو شدید مخالفت ہوئی ہے۔ وہ بھی ایک معلوم و معروف تاریخی حقیقت

ہے۔ قرآن مجید نے بھی اُسے بڑی وضاحت و تکرار کے ساتھ بیان کیا ہے۔

آپؑ کو جس وقت منصب پیمبری تفویض ہو رہا ہے۔ اور معجزات عطا ہو رہے ہیں، آپؑ کی طبیعت اسی وقت کھٹکی۔ اور بجائے اس کے کہ آپؑ کو اپنے پیمبرانہ اقتدار پر زعم واعتماد ہو جاتا، کہ اب جو کچھ بھی چاہوں گا، فرشتوں کے ذریعہ کرالوں گا، اُلٹے آپؑ نے بارگاہ باری میں عرض و معروض کرنا شروع کر دی۔

۷۲ قَالَ رَبِّ اِنِّیٓ اَخَافُ اَنۡ یُّکَذِّبُوۡنِ۔ (الشعراء - ع ۲)

عرض کی کہ اے پروردگار، مجھے اندیشہ ہے کہ وہ مجھے جھٹلائیں گے۔

۷۳ اِنِّیٓ اَخَافُ اَنۡ یُّکَذِّبُوۡنِ۔ (القصص - ع ۴)

مجھے اندیشہ ہے کہ وہ مجھے جھٹلائیں گے۔

اور اسی تکذیب و مخالفت کے ڈر سے، نیز اپنی قابلیت تبلیغ میں کمی محسوس فرما کر آپؑ نے درخواست بہ طور اپنے رفیق کار کے اپنے بھائی ہارونؑ کی بھی پیمبری کے لئے پیش کر دی۔

۷۴ وَیَضِیۡقُ صَدۡرِیۡ وَلَا یَنۡطَلِقُ لِسَانِیۡ فَاَرۡسِلۡ اِلٰی هٰرُوۡنَ۔ (الشعراء - ع ۲)

میرا دل تنگ ہونے لگتا ہے۔ اور میری زبان نہیں چلتی۔ تو تو ہارون کے پاس بھی وحی بھیج دے۔

۷۵ وَاَخِیۡ هٰرُوۡنُ هُوَ اَفۡصَحُ مِنِّیۡ لِسَانًا فَاَرۡسِلۡهُ مَعِیَ رِدۡاً یُّصَدِّقُنِیۡۤ۔

میرے بھائی ہارون کی زبان مجھ سے زیادہ رواں ہے۔ تو ان کو بھی میرا مددگار بنا کر میرے ساتھ رسالت دیدے کہ وہ میری تصدیق کریں۔

بلکہ آپؑ کو تو اندیشہ اس کا بھی تھا کہ وہ لوگ آپؑ کو ہلاک ہی کر دیں گے۔

۷۶ قَالَ رَبِّ اِنِّیۡ قَتَلۡتُ مِنۡهُمۡ نَفۡسًا فَاَخَافُ اَنۡ یَّقۡتُلُوۡنِ۔ (ایضًا)

عرض کی کہ اے میرے پروردگار میں نے ان میں سے ایک شخص کا خون کر دیا تھا۔ سو مجھے اندیشہ

ہے کہ یہ لوگ مجھے مار ڈالیں گے۔

(۷۷) وَلَهُمْ عَلَيَّ ذَنْبٌ فَأَخَافُ أَنْ يَقْتُلُونِ۔ (الشعرآء۔ ع ۲) — میرے ذمہ ان لوگوں کا ایک جرم بھی ہے، سو مجھے اندیشہ ہے کہ یہ لوگ مجھے مار ڈالیں گے۔

بلکہ موسیٰؑ و ہارونؑ دونوں پیمبروں نے مل کر بھی یہی عرض کیا ہے۔

(۷۸) قَالَا رَبَّنَا إِنَّنَا نَخَافُ أَنْ يَفْرُطَ عَلَيْنَا أَوْ أَنْ يَطْغَىٰ۔ (طٰہٰ۔ ع ۲) — دونوں نے عرض کی کہ اے ہمارے پروردگار ہمیں اندیشہ ہے کہ وہ (فرعون) ہم پر زیادتی کر بیٹھے یا یہ کہ وہ زیادہ شرارت کرنے لگے۔

بہت سے پیمبروں کے بعد جب حضرت موسیٰؑ و ہارونؑ کی بعثت قوم فرعون کی طرف ہوئی، تو ان سرکشوں نے بجائے قبول حق کے، ان کی دعوتِ توحید کا جواب اسی طرح دیا، جیسے مشرک قومیں برابر دیتی چلی آئی ہیں۔

(۷۹) ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْ بَعْدِهِمْ مُوسَىٰ وَهَارُونَ إِلَىٰ فِرْعَوْنَ وَمَلَئِهِ بِآيَاتِنَا فَاسْتَكْبَرُوا وَكَانُوا قَوْمًا مُجْرِمِينَ۔ (یونس۔ ع ۸) — ان (پیمبروں) کے بعد ہم نے موسیٰ و ہارون کو فرعون اور اس کے درباریوں کی طرف بھیجا تو ان لوگوں نے اکڑ کا اظہار کیا اور یہ لوگ تھے ہی مجرم۔

ان فرعونیوں نے بجائے برکت کے الٹا نحوست کا الزام ان مقدس ہستیوں پر لگا دیا۔

(۸۰) وَإِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ يَطَّيَّرُوا بِمُوسَىٰ وَمَنْ مَعَهُ۔ (الاعراف۔ ع ۱۶) — اور انہیں جب کوئی بدحالی پیش آجاتی تو نحوست موسیٰ اور اُن کے ساتھیوں کی بتلاتے۔

اور حضرت موسیٰؑ سے صاف صاف کہہ دیا کہ تم چاہے جیسے عجائب ظاہر کرو۔ ہم تم پر ایمان لانے والے نہیں۔ اور ان عجائب کو وہ سحر کاری کا ثمرہ تو سمجھتے ہی تھے۔

(۸۱) وَقَالُوا مَهْمَا تَأْتِنَا بِهِ مِنْ آيَةٍ لِتَسْحَرَنَا بِهَا فَمَا نَحْنُ لَكَ — وہ بولے کہ تم کیسا ہی عجوبہ ہمارے سامنے لاؤ۔ جس کے ذریعہ اپنا جادو ہم پر چلاؤ، ہم تم پر

بِمُؤْمِنِيْنَ ۔ (ایضًا) ایمان لانے کے نہیں۔

اور فرعون کو تو یہ کہہ دیتے ہیں ذرا تامّل نہ ہوا، کہ تم جادو زدہ ہو۔

(۸۲) فَقَالَ لَهٗ فِرْعَوْنُ اِنِّیْ لَاَظُنُّكَ يٰمُوْسٰى مَسْحُوْرًا (بنی اسرائیل۔ ع ۱۲) فرعون نے اُن سے کہا کہ اے موسیٰؑ میں تو یہی سمجھتا ہوں کہ تم جادو زدہ ہو۔

اور اس نے منصوبے اس کے باندھے کہ ساری قوم اسرائیل کو بہ شمول ان کے پیمبر حضرت موسیٰؑ کے اپنے ملک سے باہر نکال دے۔

(۸۳) فَاَرَادَ اَنْ يَّسْتَفِزَّهُمْ مِّنَ الْاَرْضِ (ایضًا) (فرعون نے) چاہا کہ ان لوگوں کے قدم اس سرزمین سے اُکھاڑ دے۔

آپؑ کے ہاتھوں خوارق، معجزات، سب کچھ صادر ہوتے رہے۔ فرعون کی طرف سے تکذیب و انکار ہی جاری رہا۔ اور وہ اپنی اسی رائے پر مُصر رہا کہ یکسا حق و پیامِ حق، موسیٰ سحر کے زور سے میری حکومت اُکھاڑنے ہی کو آئے ہیں۔

(۸۴) وَلَقَدْ اَرَيْنٰهُ اٰيٰتِنَا كُلَّهَا فَكَذَّبَ وَاَبٰى قَالَ اَجِئْتَنَا لِتُخْرِجَنَا مِنْ اَرْضِنَا بِسِحْرِكَ يٰمُوْسٰى ۔ (طٰہٰ۔ ع ۳) اور ہم نے فرعون کو اپنی سب ہی نشانیاں دکھا ڈالیں، لیکن وہ جھٹلاتا ہی رہا۔ اور انکار ہی کرتا رہا۔ اور بولا کہ اے موسیٰ تم ہمارے پاس اس لئے آئے ہو کہ ہم کو ہمارے ملک سے جادو کر کے نکال دو۔

فرعونیوں نے آپس میں ٹھہرائی تو بس یہی کہ موسیٰؑ و ہارونؑ دونوں جادوگر ہیں! اور یہی چاہتے ہیں کہ ہمیں ہمارے ملک سے بے دخل کر ہی دیں اپنے جادو کے زور سے۔

(۸۵) قَالُوْۤا اِنْ هٰذٰنِ لَسٰحِرٰنِ يُرِيْدٰنِ اَنْ يُّخْرِجٰكُمْ مِّنْ اَرْضِكُمْ بِسِحْرِهِمَا وَيَذْهَبَا بِطَرِيْقَتِكُمُ الْمُثْلٰى ۔ (طٰہٰ۔ ع ۳) بولے کہ بیشک یہ دونوں جادوگر ہیں اور چاہتے ہیں کہ اپنے جادو سے تم کو تمہاری سرزمین سے نکال دیں اور تمہارے اچھے طور طریقے مٹا کر ہی رہیں۔

اپنی قوت واقتدار کے گھمنڈ میں فرعون نے ہر سُنی ان سُنی کر دی اور پیمبر برحق کو سحر زدہ یا جنون زدہ ہی کہتا رہا۔

(۸۶) فَتَوَلّٰی بِرُكْنِهٖ وَقَالَ سٰحِرٌ اَوْ مَجْنُوْنٌ۔ (الذاریات - ع ۲)

فرعون اپنی قوت (کے زعم) میں ان سے پھر گیا اور بولا کہ (موسیٰؑ) یا ساحر ہیں یا مجنون۔

غرض یہ کہ اس نے رسولؑ برحق کی ہر طرح مخالفت ہی کی۔

(۸۷) فَعَصٰى فِرْعَوْنُ الرَّسُوْلَ۔ (المزمل - ع ۱)

غرض فرعون نے رسول کی نافرمانی ہی کی۔

اور آپؑ کی بات کی تصدیق کرنا کیا معنی، اُلٹے اس نے آپؑ کو ناشکرگزاری کے طعنے دیئے۔

(۸۸) قَالَ اَلَمْ نُرَبِّكَ فِيْنَا وَلِيْدًا وَّلَبِثْتَ فِيْنَا مِنْ عُمُرِكَ سِنِيْنَ وَفَعَلْتَ فَعْلَتَكَ الَّتِيْ فَعَلْتَ وَاَنْتَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ۔ (الشعراء - ع ۲)

وہ بولا کہ کیا ہم نے تم کو اپنے ہاں پرورش نہیں کیا، اور تم اپنی عمر میں برسوں ہمارے درمیان رہا سہا نہیں اور تم نے وہ حرکت بھی کی جو کی تھی۔ اور تم بڑے ناشکرے ہو۔

آپؑ کی تقریر توحید اس نے اپنے درباریوں کو سنوائی۔ اور طنز سے کہا کہ ذرا ان کی سنو!

(۸۹) قَالَ لِمَنْ حَوْلَهٗۤ اَلَا تَسْتَمِعُوْنَ۔ (الشعراء - ع ۲)

اپنے گرد و پیش والوں سے بولا کہ تم (ان کی) سنتے ہو؟

اور ان لوگوں کے سامنے بھی اپنی تشخیص، جنون موسوی کو دُہرایا۔

(۹۰) قَالَ اِنَّ رَسُوْلَكُمُ الَّذِيْۤ اُرْسِلَ اِلَيْكُمْ لَمَجْنُوْنٌ۔ (ایضاً)

وہ کہنے لگا کہ یہ تمہارے رسول جو تمہاری طرف بھیجے گئے ہیں۔ مجنون ہیں۔

اور پھر پلٹ کر حضرت موسیٰؑ سے بولا کہ خبردار، جو تم نے میرے سوا کسی اور کو اپنا معبود بنایا، تو تمہیں جیل ہی میں بند کر دوں گا۔

(۹۱) قَالَ لَئِنِ اتَّخَذْتَ اِلٰهًا غَيْرِيْ لَاَجْعَلَنَّكَ مِنَ الْمَسْجُوْنِيْنَ ـ	بولا، کہ اگر تم نے میرے سوا، کسی کو معبود بنایا تو میں تمہیں جیل ہی بھیج دوں گا۔

(الشعرآء ـ ع ۲)

اور جب آپؑ نے اس کی فرمائش پر عصا اور ید بیضا کے معجزے بھی دکھا دیئے، جب تو اس کو آپؑ کے ماہرِ فن سحر ہونے کی جیسے ایک اور دلیل ہاتھ آگئی۔ اور اپنے درباریوں سے مشورہ کرنے لگا کہ اب کیا کارروائی عمل میں لائی جائے۔

(۹۲) قَالَ لِلْمَلَاِ حَوْلَهٗٓ اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ عَلِيْمٌ ۝ يُّرِيْدُ اَنْ يُّخْرِجَكُمْ مِّنْ اَرْضِكُمْ بِسِحْرِهٖ فَمَاذَا تَاْمُرُوْنَ ـ (الشعرآء ع ۳)	اپنے گردو پیش کے درباریوں سے کہا کہ ہو، یہ شخص بڑا ماہر جادوگر ہے۔ چاہتا یہ ہے کہ اپنے جادو کے زور سے تم کو تمہارے ملک سے نکال ہی دے۔ تو اب بتاؤ تمہارا مشورہ کیا ہے؟

اور ایک فرعون کیا معنی، سارے فرعونیوں کی یہی تشخیص رہی، کہ پیامِ موسیٰ کسی گہرے سحر ہی کا نتیجہ ہے۔

(۹۳) قَالُوْا مَا هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّفْتَرًى وَّمَا سَمِعْنَا بِهٰذَا فِيْٓ اٰبَآئِنَا الْاَوَّلِيْنَ ـ (القصص ـ ع ۴)	وہ لوگ بولے کہ یہ تو بس گڑھا ہوا سحر ہی ہے اور ہم نے (آج تک) اپنے باپ دادا سے تو کبھی یہ سُنا نہیں۔

آخر طے یہ پایا کہ دعوت موسوی سے مقابلہ کے لئے وقت کے سب سے زیادہ مؤثر حربے کو کام میں لایا جائے۔ یعنی ماہرانِ فن سحر کی مڈبھیڑ ان پیمبرانِ برحق سے کرا دی جائے اور فرعون نے اس کا انتظام شروع کیا۔

(۹۴) فَتَوَلّٰى فِرْعَوْنُ فَجَمَعَ كَيْدَهٗ ثُمَّ اَتٰى ـ (طٰہٰ ـ ع ۳)	پھر فرعون پلٹا، پھر اپنی چال کا سامان درست کرنا شروع کیا۔ پھر آیا،

آپس میں یہ لوگ بولے کہ بس اب یہ معرکہ سر کر لو۔

۹۵ فَاَجْمِعُوْا كَيْدَكُمْ ثُمَّ ائْتُوْا صَفًّا وَقَدْ اَفْلَحَ الْيَوْمَ مَنِ اسْتَعْلٰى۔ (طٰہٰ ۔ ع ۳)

اب مل جل کر اپنی تدبیر کا انتظام کرو، اور صف بستہ ہو کر آؤ۔ اور آج بھلا اسی کا ہوگا۔ جو غالب رہے گا۔

پیمبر برحق نشان پر نشان دکھاتے رہے، لیکن فرعون برابر انکار، سرکشی و استکبار اور اپنے دعویٰ ربوبیت پر اڑا رہا۔ اور موسیٰؑ سے مقابلے کا پورا سامان کئے گیا۔

۹۶ فَاَرٰىهُ الْاٰيَةَ الْكُبْرٰى فَكَذَّبَ وَعَصٰى ثُمَّ اَدْبَرَ يَسْعٰى فَحَشَرَ فَنَادٰى فَقَالَ اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى۔ (النازعات ۔ ع ۱)

پھر (موسیٰ نے) اُسے بڑی نشانی دکھائی، تو بھی وہ جھٹلاتا اور نافرمانی کرتا رہا۔ پھر وہ کوشش کرتا ہوا پھر گیا، پھر اس نے (لوگوں کو) جمع کیا اور پکار کی، اور کہا کہ میں تمہارا پروردگار اعظم ہوں۔

اہلِ دربار نے مشورہ دیا کہ ان دونوں داعیوں کو کچھ دن کے لئے ٹالے رکھئے اور اس درمیان میں پیادوں کو بھیج کر مملکت عالی سے ماہرینِ فن سحر کو ان سے مقابلے کے لئے بلا لیجئے۔

۹۷ قَالُوْا اَرْجِهْ وَاَخَاهُ وَابْعَثْ فِى الْمَدَآئِنِ حٰشِرِيْنَ يَاْتُوْكَ بِكُلِّ سَحَّارٍ عَلِيْمٍ۔ (الشعرآء ۔ ع ۳)

انہیں اور ان کے بھائی کو مہلت دیجئے اور شہروں میں پیادے بھیج دیجئے کہ وہ سب ماہر جادوگروں کو آپ کے پاس لا حاضر کریں

جادوگروں کی ٹولی اکٹھی ہوئی۔ میدان بدا گیا۔ مقابلہ میں ساحروں کو شکست فاش اور حضرت موسیٰؑ کو فتح مبین حاصل ہوئی۔ جادوگر ہارے مان کر موسیٰؑ کے قدموں پر گر پڑے اور توحید کے قائل ہو گئے۔ فرعون اس پر بھی اپنی اُسی ضد پہ قائم رہا۔ اور جادوگروں کو مخاطب کر کے بولا، کہ تم تو موسیٰؑ سے ملے ہوئے ہو اور انہیں کے چیلے۔

۹۸ اٰمَنْتُمْ لَهٗ قَبْلَ اَنْ اٰذَنَ لَكُمْ اِنَّهٗ لَكَبِيْرُكُمُ الَّذِىْ عَلَّمَكُمُ السِّحْرَ فَلَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ۔ (الشعرآء ۔ ع ۳)

تم موسیٰ پر ایمان لے آئے قبل اس کے میں تمہیں اجازت دوں۔ ضرور یہ تم سب کا گرو ہے جس نے تم کو جادو کی تعلیم دی ہے سو تمہیں ابھی

مزا معلوم ہوا جاتا ہے۔

اس معرکہ موسیٰؑ و اہل سحر کے علاوہ بھی شہنشاہ مصر و مظہر خدا، فرعون نے ہر طرح اپنے غیظ و غضب کا مظاہرہ داعیان حق پر کیا۔

(۹۹) فَاَرْسَلَ فِرْعَوْنُ فِی الْمَدَآئِنِ حٰشِرِیْنَ اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ لَشِرْذِمَةٌ قَلِیْلُوْنَ وَ اِنَّهُمْ لَنَا لَغَآئِظُوْنَ۔ (الشعرآء۔ ع ۴)

پھر فرعون نے شہروں میں پیادے دوڑائے کہ یہ لوگ (موسوی جماعت والے) ایک چھوٹی سی ٹولی ہیں۔ انہوں نے ہمیں بہت ہی غصہ دلایا ہے۔

طرح طرح کے دوسرے ظلم و ستم ان پہ توڑنے شروع کئے۔ یہاں تک کہ اصحابِ موسیٰؑ کو یہ مناجات اپنے حق میں کرنا پڑی۔

(۱۰۰) رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ وَ نَجِّنَا بِرَحْمَتِكَ مِنَ الْقَوْمِ الْكٰفِرِیْنَ۔ (یونس۔ ع ۹)

اے ہمارے پروردگار ہم کو ان ظالموں کا تختۂ مشق نہ بنا اور ہم کو اپنی رحمت کے صدقے میں ان کافر لوگوں سے نجات دے۔

غرض ساری ہی تبلیغی جد و جہد کے بعد بھی حضرت موسیٰؑ کی بات کی کسی نے تصدیق نہ کی۔ بجز ایک مٹھی بھر جماعت کے۔

(۱۰۱) فَمَآ اٰمَنَ لِمُوْسٰٓى اِلَّا ذُرِّیَّةٌ مِّنْ قَوْمِهٖ عَلٰى خَوْفٍ مِّنْ فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهِمْ اَنْ یَّفْتِنَهُمْ۔ (ایضاً)

تو موسیٰ پر ان کی قوم میں سے صرف تھوڑے قلیل آدمی ایمان لائے وہ بھی فرعون سے اور اپنے حکام سے ڈرتے ڈرتے کہ کہیں وہ انہیں آزار نہ پہنچائے۔

اور خود حضرت موسیٰؑ کو ہر طرح عاجز و مایوس ہو کر عذاب الیم کی بددعا فرعون اور فرعونیوں کے حق میں کرنا پڑی۔

(۱۰۲) وَقَالَ مُوْسٰى رَبَّنَآ اِنَّكَ اٰتَیْتَ

اور موسیٰؑ نے عرض کی کہ اے ہمارے پروردگار

فِرْعَوْنَ وَمَلَاَهٗ زِيْنَةً وَّاَمْوَالًا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا رَبَّنَا لِيُضِلُّوْا عَنْ سَبِيْلِكَ رَبَّنَا اطْمِسْ عَلٰٓى اَمْوَالِهِمْ وَاشْدُدْ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوْا حَتّٰى يَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ۔

(یونس۔ ع ۹)

تو نے فرعون کو اور اس کے سرداروں کو سامان تجمل اور طرح طرح کے مال دنیوی زندگی میں، اے ہمارے پروردگار، اسی واسطے دے رکھے ہیں کہ وہ تیری راہ سے گمراہ کرتے رہیں، اے ہمارے پروردگار ان کے مالوں کو نیست و نابود کر دے اور ان کے دلوں کو سخت کر دے، تو یہ ایمان نہ لانے پائیں، یہاں تک کہ عذاب الیم کو دیکھ لیں۔

عام اور مستقل روش فرعونیوں کی حضرت موسیٰؑ کی دعوت کے ساتھ تمسخر ہی کی رہی۔ جب کسی عذاب الٰہی کی جھلک دیکھتے تو ذرا دیر کے لئے جھکتے اور حضرت موسیٰؑ کی خوشامد میں لگ جاتے، لیکن جوں ہی عذاب ٹل جاتا، اور گرفت خداوندی ڈھیلی ہو جاتی، تو معاً ان کی سرکشی پھر اُبھر آتی اور اسی ڈھٹائی سے وہ پیمبر برحق کا مقابلہ کرنے لگتے۔

(۱۰۳) فَلَمَّا جَآءَهُمْ بِاٰيٰتِنَآ اِذَا هُمْ مِّنْهَا يَضْحَكُوْنَ وَمَا نُرِيْهِمْ مِّنْ اٰيَةٍ اِلَّا هِيَ اَكْبَرُ مِنْ اُخْتِهَا وَاَخَذْنٰهُمْ بِالْعَذَابِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ وَقَالُوْا يٰٓاَيُّهَ السّٰحِرُ ادْعُ لَنَا رَبَّكَ بِمَا عَهِدَ عِنْدَكَ اِنَّنَا لَمُهْتَدُوْنَ فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُمُ الْعَذَابَ اِذَا هُمْ يَنْكُثُوْنَ۔ (الزخرف۔ ع ۵)

جب موسیٰ ان کے (یعنی فرعون اور اس کے سرداروں کے) پاس ہماری نشانیاں لے کر آئے تو وہ لگے اُن پر ہنسنے۔ اور ہم ان کو جو بھی نشانی دکھلاتے تھے۔ وہ دوسری نشانی سے بڑھ کر ہی ہوتی تھی، اور ہم نے ان کو عذاب کی گرفت میں لیا، تاکہ وہ باز آجائیں۔ وہ لوگ بولے کہ اے جادوگر ہمارے لئے اپنے پروردگار سے اس بات کی دعا کر جس کا اس نے تم سے وعدہ کر رکھا ہے۔ ہم ضرور راہ پر آجائیں گے پھر

ہم نے ان سے وہ عذاب ہٹایا، اور جبھی انہوں
نے عہد توڑ دیا۔

اور یہ صورت ایک بار نہیں، بار بار پیش آتی رہی۔

(۱۰۴) وَلَمَّا وَقَعَ عَلَيْهِمُ الرِّجْزُ قَالُوا يٰمُوسَى ادْعُ لَنَا رَبَّكَ بِمَا عَهِدَ عِنْدَكَ لَئِنْ كَشَفْتَ عَنَّا الرِّجْزَ لَنُؤْمِنَنَّ لَكَ وَلَنُرْسِلَنَّ مَعَكَ بَنِيْٓ اِسْرَآئِيْلَ فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُمُ الرِّجْزَ اِلٰٓى اَجَلٍ هُمْ بَالِغُوْهُ اِذَا هُمْ يَنْكُثُوْنَ۔ (الاعراف۔ع ۱۶)

اور جب ان پر عذاب واقع ہوتا تو کہنے لگتے کہ اے موسیٰ اپنے پروردگار سے ہمارے لئے اس بات کی دعا کرو جس کا انہوں نے تم سے وعدہ کر رکھا ہے، اگر تم نے اس عذاب کو ہم سے ہٹا دیا تو ہم ضرور تمہارے کہنے سے ایمان لے آئیں گے۔ اور بنی اسرائیل کو بھی ضرور آپ کے ہمراہ کر دیں گے۔ پھر جب ہم اُن سے اس عذاب کو ایک خاص وقت تک کہ اس تک ان کو پہنچنا تھا، ہٹا دیتے تو وہ فوراً ہی عہد شکنی کرنے لگتے۔

حضرت موسیٰؑ کی تحقیر تو فرعون کے دل میں بیٹھی ہوئی تھی ہی اس کو اس نے اپنی رعایا میں بھی پھیلایا۔ اپنی قوم کے سامنے یہ اعلان کیا کہ

(۱۰۵) اَمْ اَنَا خَيْرٌ مِّنْ هٰذَا الَّذِيْ هُوَ مَهِيْنٌ وَّلَا يَكَادُ يُبِيْنُ۔

(الزخرف۔ع ۵)

بلکہ میں افضل ہوں اس شخص سے جو حقیر ہے اور قوت بیانیہ بھی نہیں رکھتا۔

سب کی رائے یہی ٹھہری کہ یہ داعیٔ حق تو کاذب ہے۔ بس اس پر ایمان لانے والوں کے لڑکوں کو تو ہلاک کر دو، اور عورتوں کو زندہ رہنے دو۔

(۱۰۶) فَقَالُوْا سٰحِرٌ كَذَّابٌ فَلَمَّا جَآءَهُمْ بِالْحَقِّ مِنْ عِنْدِنَا قَالُوْا

وہ لوگ بولے کہ یہ ساحر ہے۔ جھوٹا ہے۔ تو جب وہ ان لوگوں کے پاس دین حق ہماری طرف سے

اُقۡتُلُوۡۤا اَبۡنَآءَ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا مَعَهٗ وَاسۡتَحۡیُوۡا نِسَآءَهُمۡ۔ (المؤمن۔ ع ۳)

لے کر آئے۔ تو ان لوگوں نے کہا کہ جو شخص ان کے ساتھ ایمان لے آئے ہیں، ان کے بیٹوں کو ہلاک کر دو اور ان کی عورتوں کو زندہ رکھو۔

سرداروں اور اہل دربار نے کہا کہ یہ موسیٰؑ اپنے ساتھیوں سمیت کب تک آزاد پھرتا رہے گا اور سرکاری رعیت اور حکومت کی توہین کرتا رہے گا؟ فرعون نے جواب میں وہی کہا کہ ہم ان لوگوں کی اولاد ذکور کو جیتا جی نہ چھوڑیں گے، آخر اقتدار ہمارا ہی ہے۔

(۱۰۷) وَقَالَ الۡمَلَاُ مِنۡ قَوۡمِ فِرۡعَوۡنَ اَتَذَرُ مُوۡسٰی وَقَوۡمَهٗ لِیُفۡسِدُوۡا فِی الۡاَرۡضِ وَیَذَرَكَ وَاٰلِهَتَكَ قَالَ سَنُقَتِّلُ اَبۡنَآءَهُمۡ وَنَسۡتَحۡیٖ نِسَآءَهُمۡ وَاِنَّا فَوۡقَهُمۡ قٰهِرُوۡنَ۔ (الاعراف۔ ع ۱۵)

فرعون کے سرداروں نے کہا کہ کیا آپ موسیٰ اور ان کی قوم کو یوں ہی رہنے دیں گے کہ ملک میں فساد کرتے پھریں اور آپ کو اور آپ کے معبودوں کو ترک کئے رہیں (فرعون نے) کہا کہ (نہیں) ہم ان کے بیٹوں کو ہلاک کرنا شروع کرتے ہیں اور ان کی عورتوں کو زندہ رہنے دیں گے اور ہمارا ہر طرح ان پر زور رہے۔

بلکہ اب خود حضرت موسیٰؑ فرعون کی نظر میں واجب القتل ٹھہر چکے تھے اس لئے کہ وہ (بہ قول اس کے) ملک میں فساد پھیلا رہے تھے اور نظام دین کو درہم برہم کر رہے تھے۔

(۱۰۸) وَقَالَ فِرۡعَوۡنُ ذَرُوۡنِیۡۤ اَقۡتُلۡ مُوۡسٰی وَلۡیَدۡعُ رَبَّهٗ اِنِّیۡۤ اَخَافُ اَنۡ یُّبَدِّلَ دِیۡنَكُمۡ اَوۡ اَنۡ یُّظۡهِرَ فِی الۡاَرۡضِ الۡفَسَادَ۔ (المؤمن۔ ع ۳)

اور فرعون نے کہا مجھے چھوڑ دو، میں موسیٰؑ کو قتل کر ڈالوں گا مجھے اندیشہ ہے کہ وہ تمہارے دین کو بگاڑ دے گا۔ یا ملک میں فساد کرے گا۔

فرعون بالآخر اپنے کیفر کردار کو پہنچا اور سمندر میں اس کی غرقابی ہوئی، لیکن حضرت

موسیٰؑ و ہارونؑ دو دو پیمبروں سے اتنی شدید گستاخیوں اور بے ہودگیوں کے بعد۔

اور خیر فرعون تو ایک بد دین اور اپنی خدائی کا مدّعی تھا، خود اپنی قوم بنی اسرائیل کی طرف سے حضرت موسیٰؑ کو جو کچھ پیش آیا۔ وہ ہرگز آپؑ کے مرتبۂ نبوّت کے شایانِ احترام نہ تھا۔ آپؑ کہاں تو اسرائیلیوں کو فرعون کے تسلط سے نجات دلانے کی فکر میں مستغرق رہتے تھے۔ کہاں خود ان لوگوں نے بجائے اظہار ممنونیت کے الٹی طعنہ زنی شروع کی ،

(۱۰۹) قَالُوْٓا اُوْذِیْنَا مِنْ قَبْلِ اَنْ تَاْتِیَنَا وَمِنْۢ بَعْدِ مَا جِئْتَنَا۔ (الاعراف۔ ع ۱۵)

یہ لوگ بولے کہ ہم تو (ہمیشہ) مصیبت ہی میں رہے۔ تمہاری آمد سے پہلے بھی اور تمہاری آمد کے بعد بھی۔

آپؑ سے مطالبہ اس کا کیا، کہ ہمیں خدا کا مشاہدہ کرا دیجیے۔ جب ہم آپؑ کو سچا جانیں گے۔

(۱۱۰) یٰمُوْسٰی لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰی نَرَی اللّٰهَ جَهْرَةً۔ (البقرۃ۔ ع ۶)

اے موسیٰ ہم تم پر ایمان نہ لائیں گے یہاں تک کہ ہم دیکھ لیں خدا کو کھلم کھلا۔

ایک موٹی سی بات یہ کہ آپؑ نے ایک گائے کی قربانی کا ان کو حکم خداوندی پہنچایا، اس تک کا انہوں نے یقین نہ کیا، بلکہ گستاخانہ بولے۔

(۱۱۱) اَتَتَّخِذُنَا هُزُوًا۔ (البقرۃ۔ ع۸)

یہ کیا تم ہم سے مسخرہ پن کرتے ہو۔

آپؑ نے مصر سے باہر لا کر، اور فرعون کی غلامی سے نجات دلا کر، جب ارض فلسطین میں جہاد کا حکم دیا۔ تو تڑا تڑا کر جواب دیا۔

(۱۱۲) قَالُوْا یٰمُوْسٰٓی اِنَّ فِیْهَا قَوْمًا جَبَّارِیْنَ وَاِنَّا لَنْ نَّدْخُلَهَا حَتّٰی یَخْرُجُوْا مِنْهَا فَاِنْ یَّخْرُجُوْا مِنْهَا فَاِنَّا دٰخِلُوْنَ۔ (المائدہ۔ ع ۴)

بولے کہ اے موسیٰ وہاں تو بڑے زبردست لوگ ہیں، ہم ہرگز وہاں قدم نہ رکھیں گے جب تک وہ وہاں سے نہ نکل جائیں ہاں اگر وہ وہاں سے کہیں اور چلے جائیں۔ تو بے شک ہم جانے کو تیار ہیں۔

اور جب آپؑ نے سمجھایا، تو گستاخی اور تضحیک کی لے اور بلند ہوئی اور یوں گویا ہوئے۔

(۱۱۳) یٰمُوْسٰٓی اِنَّا لَنْ نَّدْخُلَهَآ اَبَدًا مَّا دَامُوْا فِیْهَا فَاذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَآ اِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوْنَ۔ (المائدہ۔ ع ۴)

اے موسیٰؑ ہم ہرگز وہاں کبھی قدم نہ رکھیں گے۔ جبتک کہ وہ لوگ وہاں موجود ہیں۔ تو تم اور تمہارے پروردگار صاحب وہاں جائیں اور لڑان بھڑان کریں ہم تو یہاں سے سرکتے نہیں۔

مسلسل نافرمانی و سرکشی کو دیکھ، آخر آپؑ کی زبان پر آیا۔

(۱۱۴) یٰقَوْمِ لِمَ تُؤْذُوْنَنِیْ وَقَدْ تَّعْلَمُوْنَ اَنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَیْكُمْ۔ (الصف۔ ع ۱)

اے میری قوم والو، تم آخر مجھے کیوں ستاتے ہو، درآنحالیکہ خوب جانتے ہی ہو کہ میں تمہاری طرف اللہ کا رسول (ہو کر آیا) ہوں۔

اور مجبور ہو کر آپؑ کو یہ دعا کرنی پڑی۔

(۱۱۵) رَبِّ اِنِّیْ لَآ اَمْلِكُ اِلَّا نَفْسِیْ وَاَخِیْ فَافْرُقْ بَیْنَنَا وَبَیْنَ الْقَوْمِ الْفٰسِقِیْنَ۔ (المائدہ۔ ع ۴)

اے میرے پروردگار، میں بجز اپنی ذات اور اپنے بھائی کے اور کسی پر اختیار نہیں رکھتا ہوں، تو تو ہی ہمارے اور اس بدکردار قوم کے درمیان فیصلہ کردے۔

حد یہ ہے کہ آپؑ کی چند روزہ غیر حاضری کے زمانہ میں گوسالہ پرستی جیسے کھلے ہوئے شرک کے مرتکب ہوئے قرآن نے انہیں ان کی تاریخ کا یہ تاریک ترین دور یاد دلایا۔

(۱۱۶) وَاِذْ وٰعَدْنَا مُوْسٰٓی اَرْبَعِیْنَ لَیْلَةً ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ مِنْۢ بَعْدِهٖ وَاَنْتُمْ ظٰلِمُوْنَ۔ (البقرۃ۔ ع ۶)

وہ وقت یاد کرو، جب ہم نے موسیٰ سے چالیس راتوں کا وعدہ کیا، پھر تم لوگوں نے ان کے پیچھے گوسالہ کو (بہ طور معبود) اختیار کر لیا اور تم (اپنے حق میں) ظالم تھے۔

مشرکوں کو دیکھ کر اپنے پیمبر کے ہوتے ساتے انہیں بھی شوق پیدا ہو گیا کہ کسی مورتی کی پوجا کریں۔ اور غضب کی ڈھٹائی یہ کہ اس کی فرمائش خود اپنے پیمبر تک سے کر بیٹھے۔

(۱۱۷) قَالُوْا یٰمُوْسَی اجْعَلْ لَّنَآ اِلٰهًا كَمَا لَهُمْ اٰلِهَةٌ۔ (الاعراف۔ ۱۶)

بولے کہ اے موسیٰ ہمارے لئے بھی ایک دیوتا ایسا تجویز کر دو۔ جیسے کہ ان (مشرکوں) کے یہ دیوتا ہیں۔

آپؑ نے تو ظاہر ہے کہ ڈانٹ پھٹکار دیا۔ لیکن اِدھر آپؑ عارضی طور پر ہٹے، کہ اُدھر انہوں نے ایک گوسالے کی پوجا شروع ہی کر دی۔

(۱۱۸) وَاتَّخَذَ قَوْمُ مُوْسٰی مِنْۢ بَعْدِهٖ مِنْ

اور موسیٰ کی قوم نے ان کے پیٹھ پیچھے ایک گوسالے کو

حلیّہم عجلاً جسداً لّہٗ خوار (الاعراف۔ ع ۱۸) (معبود) ٹھہرالیا، جو ایک قالب تھا، جس میں یک آواز تھی۔

حضرت ہارونؑ۔ جو آپؑ کی قائم مقامی کر رہے تھے، اپنی والی سمجھاتے رہے۔ کہ یہ کیا غضب کر رہے ہو۔

(۱۱۹) یٰقَوْمِ اِنَّمَا فُتِنْتُمْ بِهٖ وَاِنَّ رَبَّكُمُ الرَّحْمٰنُ فَاتَّبِعُوْنِیْ وَاَطِیْعُوْۤا اَمْرِیْ۔ (طٰہٰ۔ ع ۵)

اے میری قوم والو، تم اس کے سبب گمراہی میں پھنس گئے ہو، تمہارا پروردگار تو رحمٰن ہے۔ سو تم میری پیروی کرو۔ اور میرے حکم کی اطاعت کرو۔

وہ بھلا اُن کی کیا سنتے۔ بولے تو یہ بولے۔

(۱۲۰) لَنْ نَّبْرَحَ عَلَیْهِ عٰكِفِیْنَ حَتّٰى یَرْجِعَ اِلَیْنَا مُوْسٰى۔ (طٰہٰ۔ ع ۵)

ہم تو اس پر جمے بیٹھے رہیں گے۔ یہاں تک کہ موسیٰ ہمارے پاس واپس آجائیں۔

اس سے بڑھ کر یہ کہ بدبختوں نے حضرت ہارونؑ کے ساتھ گستاخ دسنیبوں میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔ انہیں خود اپنی جان کے لالے پڑ گئے حضرت موسیٰؑ نے واپس آکر جب اُن سے مواخذہ کیا ہے تو بیچارہ نے بیان کیا کہ قوم تو میری دشمن بلکہ آمادۂ قتل ہو گئی تھی۔

(۱۲۱) ابْنَ اُمَّ اِنَّ الْقَوْمَ اسْتَضْعَفُوْنِیْ وَكَادُوْا یَقْتُلُوْنَنِیْ فَلَا تُشْمِتْ بِیَ الْاَعْدَآءَ وَلَا تَجْعَلْنِیْ مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ۔ (الاعراف۔ ع ۱۸)

اے میرے ماں جائے (بھائی) قوم نے تو مجھ کو بے حقیقت سمجھ لیا، اور قریب تھا کہ مجھکو قتل ہی کر ڈالیں تو تم مجھ پر (ان) دشمنوں کو مت ہنسواؤ۔ اور نہ مجھ کو ظالم لوگوں کے ذیل میں شمار کرو۔

قارون بھی مصری و قبطی نہ تھا۔ آپؑ کی قوم اسرائیل ہی کا ایک سرمایہ دار فرد تھا۔ لیکن اس نے بھی آپؑ کی شریعت سے سرتابی کی، اور قرآن مجید نے اس کا عبرت ناک انجام بیان کیا ہے۔

(۱۲۲) اِنَّ قَارُوْنَ كَانَ مِنْ قَوْمِ مُوْسٰى فَبَغٰى عَلَیْهِمْ۔ (القصص، ع ۸)

قارون موسیٰ کی برادری میں سے تھا۔ سو اس نے ان لوگوں کے مقابلہ میں زیادتی اختیار کی۔

اور بھی طرح طرح کے الزامات آپؑ پر لگانے والے آپؑ ہی کے قوم والے تھے۔ آپؑ کی صفائی خود حق تعالیٰ نے پیش فرمائی۔ اور مسلمانوں کو تنبیہہ کی گئی کہ قوم موسیٰؑ کی ریس نہ کریں۔

(۱۲۳) یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِیْنَ

اے ایمان والو، تم ان لوگوں کی طرح نہ ہو جانا جنہوں

اٰذَوْا مُوْسٰی فَبَرَّاَهُ اللّٰهُ مِمَّا قَالُوْا۔ (الاحزاب۔ ع ۹) — نے موسیٰ کو اذیت دی۔ سو ان کو اللہ نے ان لوگوں کی تہمت سے بری ثابت کر دیا۔

سلسلۂ اسرائیلی کے خاتم الانبیاء حضرت عیسیٰ مسیحؑ ہوئے ہیں۔ آپکی بھی قوم کے بڑے حصے نے آپؑ کی دعوت کا استقبال مخالفت ہی سے کیا، اور آپ کو اپنے رفیقوں معاونوں کے لئے پکار کرنا پڑی۔

(۱۲۴) كَمَا قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ لِلْحَوَارِيّٖنَ مَنْ اَنْصَارِيْٓ اِلَى اللّٰهِ قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰهِ فَاٰمَنَتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْۢ بَنِيْٓ اِسْرَآئِيْلَ وَكَفَرَتْ طَّآئِفَةٌ۔ (الصف۔ ع ۲) — جیسا عیسیٰ بن مریم نے کہا، کہ اللہ کے لئے میرا کون مددگار ہوتا ہے۔ تو حواری بولے کہ ہم ہیں اللہ کے مددگار۔ تو ایک گروہ بنی اسرائیل میں سے (آپؑ پر) ایمان لایا۔ اور ایک گروہ نے کفر اختیار کیا۔

بعض انہیں حواریوں اور انصار اللہ کے سوا، باقی امت مخالفت شدید پر کمربستہ رہی، اور دشمنی کی آخری حد تک بھی پہنچ جانے سے نہ چوکی۔

(۱۲۵) فَلَمَّآ اَحَسَّ عِيْسٰى مِنْهُمُ الْكُفْرَ قَالَ مَنْ اَنْصَارِيْٓ اِلَى اللّٰهِ..... وَمَكَرُوْا وَمَكَرَ اللّٰهُ ؕ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ۔ (آل عمران۔ ع ۵) — جب عیسیٰ نے ان کی طرف سے انکار دیکھا تو بولے کہ تم میں کوئی ایسے بھی ہیں۔ جو میرے مددگار ہو جائیں اللہ کے واسطے... (غرض یہ مخالفین خوب چالیں چلے اور اللہ نے بھی خفیہ تدبیر سے کام لیا، اور اللہ بہترین تدبیر کرنے والا ہے۔

اپنے خیال میں تو ان لوگوں نے آپؑ کو شہید ہی کر ڈالا تھا، اور اپنے اس کارنامہ کو فخر سے بیان کرتے تھے۔ اور حضرت کے نسب پر گندہ حملہ اس پر مستزاد۔

(۱۲۶) وَبِكُفْرِهِمْ وَقَوْلِهِمْ عَلٰى مَرْيَمَ بُهْتَانًا عَظِيْمًا وَّقَوْلِهِمْ اِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيْحَ عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ رَسُوْلَ اللّٰهِ۔ (النسآء۔ ع ۲۲) — اور ان (اسرائیلیوں) کے کفر کے باعث اور حضرت مریمؑ پر ان کے بھاری بہتان رکھنے کے باعث۔ اور ان کے اس قول کے باعث کہ ہم نے عیسیٰ بن مریم رسول اللہ کو مار ڈالا ہے۔

جب یہ سنت سارے انبیاءؑ کی رہ چکی ہے، تو خاتم الانبیاءؑ کے حق میں کیوں نہ پوری ہوتی۔ بلکہ آپؐ کے حق میں تو وہ اوروں سے بڑھ کر پوری ہوئی۔

یہ تشخیص تو مخاطبین کی عام تھی، کہ آپؐ (نعوذ باللہ) یہ کلام گھڑ کر لائے ہیں۔ قرآن مجید نے ان کے اس دعوے کو بار بار دہرایا ہے۔ گو سوال کے طور پر۔

(۱۲۷) اَمْ یَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ۔ (یونس۔ ع ۴) — کیا یہ لوگ یہ کہتے ہیں، کہ آپؐ نے اس (قرآن) کو گھڑ لیا ہے۔

(۱۲۸) (ہود۔ ع ۲) 〃 〃 〃 〃

(۱۲۹) (السجدۃ۔ ع ۱) 〃 〃 〃 〃

(۱۳۰) (الاحقاف۔ ع ۱) 〃 〃 〃 〃

ہر طرح آپؐ کو امین وصادق جاننے کے باوجود دعویٰ اور دھڑکے سے کہتے، کہ

(۱۳۱) اِنْ هُوَ اِلَّا رَجُلُ نِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا وَّمَا نَحْنُ لَهٗ بِمُؤْمِنِيْنَ۔ (المومنون۔ ع ۴) — یہ شخص اور ہے کیا۔ سوا اس کے کہ اس نے خدا پر ایک گھڑنت گھڑ لی۔ اور ہم اس پر ایمان لانے کے نہیں۔

اور پھر ترقی کرکے یہ بھی کہا کہ ان کی اس گھڑنت میں شریک کچھ اور لوگ بھی ہیں۔

(۱۳۲) وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اِفْكُ نِ افْتَرٰىهُ وَاَعَانَهٗ عَلَيْهِ قَوْمٌ اٰخَرُوْنَ۔ (الفرقان۔ ع ۱) — جو لوگ کفر اختیار کیے ہوئے ہیں، یوں بولے کہ یہ تو بس ایک گھڑنت انہوں نے گھڑ لی ہے اور اس میں ان کی مدد کچھ اور لوگوں نے کی ہے۔

اور اس میں نمک مرچ یہ بھی لگا دیا کہ یہ تو اگلوں کی داستانیں ہیں جو انہوں نے کسی سے لکھوا لی ہیں۔ اور (وہ ان پر) صبح وشام پڑھ کر سنا دی جاتی ہیں۔

(۱۳۳) وَقَالُوْٓا اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ اكْتَتَبَهَا فَهِيَ تُمْلٰى عَلَيْهِ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا۔ (الفرقان۔ ع ۱) — اور یہ لوگ بولے کہ یہ تو اگلوں کی داستانیں ہیں جو انہوں نے لکھوا لی ہیں اور وہ ان پر صبح وشام پڑھ دی جاتی ہیں۔

آگے تشخیص کی تفصیل میں اختلاف ہونا۔ اکثر تو یہ کہتے کہ یہ اثر سحر کا ہے۔

(۱۳۴) فَقَالَ اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ يُّؤْثَرُ ۝ اِنْ هٰذَآ اِلَّا قَوْلُ الْبَشَرِ۔ (المدثر۔ ع ۱) — (کافر نے) کہا کہ یہ تو وہی پرانا سحر چلا آرہا ہے اور یہ تو بس انسان ہی کا کلام ہے۔

اور اپنی عقل پر نازاں ہوکر کہتے کہ ہم سحر پر ایمان کیسے لے آئیں۔

(۱۳۵) وَلَمَّا جَآءَهُمُ الْحَقُّ قَالُوْا هٰذَا سِحْرٌ وَّاِنَّا بِهٖ كٰفِرُوْنَ۔ (الزخرف۔ ع ۳) — اور جب حق ان کے پاس آگیا، تو بولے کہ یہ تو سحر ہے اور ہم اس کے منکر ہی ہیں۔

کھلی ہوئی آیتوں کے سننے کے بعد ان کی تعبیر سحر ہی سے کرتے۔

(۱۳۶) وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا بَيِّنٰتٍ قَالَ — اور جب انہیں ہماری کھلی ہوئی آیتیں پڑھ کر سنائی

الَّذِينَ كَفَرُوا لِلْحَقِّ لَمَّا جَاءَهُمْ هٰذَا سِحْرٌ مُّبِينٌ۔ (الاحقاف - ع ۱)	جاتی ہیں تو جو لوگ ، وہ حق کے متعلق جب وہ ان کے پاس آجاتا ہے کہتے ہیں کہ یہ تو کھلا ہوا سحر ہے۔
(۱۳۷) وَقَالُوا مَا هٰذَا إِلَّا إِفْكٌ مُّفْتَرًى وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لِلْحَقِّ لَمَّا جَاءَهُمْ إِنْ هٰذَا إِلَّا سِحْرٌ مُّبِينٌ۔ (السبا - ع ۵)	اور یہ لوگ کہتے ہیں کہ یہ کچھ نہیں ہے سوا اس کے ایک گھڑی ہوئی گھڑنت ہے۔ اور جو کافر ہیں وہ حق کے متعلق کہتے ہیں جب وہ ان کے پاس آگیا کہ یہ تو کھلا ہوا سحر ہے۔

بلکہ بعض اس مفہوم کو اور زور و شدت سے بیان کرتے۔

(۱۳۸) وَقَالَ الْكٰفِرُونَ هٰذَا سٰحِرٌ كَذَّابٌ (ص ع ۱)	اور کافر کہنے لگے کہ یہ تو بڑا جھوٹا ساحر ہے۔

اور آپس کی سرگوشیوں میں اپنی اس تشخیص کو بطور راز بیان کرتے۔

(۱۳۹) وَأَسَرُّوا النَّجْوَى الَّذِينَ ظَلَمُوا هَلْ هٰذَا إِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ أَفَتَأْتُونَ السِّحْرَ وَأَنْتُمْ تُبْصِرُونَ۔ (الانبیاء - ع ۱)	اور یہ ظالم لوگ چپکے چپکے سرگوشی کرتے ہیں کہ یہ تو محض تم جیسے ایک بشر ہیں، تو کیا تم (یہ جانتے ہوئے بھی) سحر کی بات سننے کو جاؤ گے۔
(۱۴۰) وَإِذْ هُمْ نَجْوَى إِذْ يَقُولُ الظّٰلِمُونَ إِنْ تَتَّبِعُونَ إِلَّا رَجُلًا مَّسْحُورًا۔ (بنی اسرائیل - ع ۵)	جبکہ وہ سرگوشی (آپس میں) کرتے ہیں اور جبکہ ظالم لوگ کہتے ہیں کہ تم تو ایک سحر زدہ شخص کی پیروی کرتے ہو۔

سحر کے علاوہ ایک تشخیص شاعری اور جنون کی بھی تھی کسی نے کہا۔ جنون زدہ ہیں، کسی نے کہا، نرے شاعر ہیں۔ تو کیا کسی شاعر کی خاطر ہم اپنے عقائد قدیم سے دست بردار ہو جائیں؟

(۱۴۱) وَيَقُولُونَ أَئِنَّا لَتَارِكُوا آلِهَتِنَا لِشَاعِرٍ مَّجْنُونٍ۔ (الصّٰفّٰت - ع ۲)	یہ لوگ کہتے ہیں کہ کیا ہم اپنے معبودوں کو ایک شاعر جنون زدہ کی خاطر چھوڑ دیں۔

اور بعض کے ہاں کچھ اس قسم کی کھچڑی پکی۔

(۱۴۲) قَالُوا أَضْغَاثُ أَحْلَامٍ بَلِ افْتَرَاهُ بَلْ هُوَ شَاعِرٌ فَلْيَأْتِنَا بِآيَةٍ كَمَا أُرْسِلَ الْأَوَّلُونَ۔ (الانبیاء - ع ۱)	بلکہ کہ یہ پریشان خیالیاں ہیں نہیں بلکہ انہوں نے اس (کلام) کو گھڑ لیا ہے نہیں بلکہ یہ تو ایک شاعر ہیں۔ پس انہیں چاہیئے کہ ہمارے پاس کوئی معجزہ لے آئیں جیسا کہ پہلے لوگ (معجزات کے ساتھ) رسول بنائے گئے تھے۔

جنون زدہ ہونے کا اتہام بھی صاف صاف لگا۔

(۱۴۳) وَقَدْ جَاءَهُمْ رَسُولٌ مُّبِينٌ ثُمَّ تَوَلَّوْا	اور ان کے پاس کھول بیان کرنے والا رسول آیا۔ تو انہوں

عَنْهُ وَقَالُوْا مُعَلَّمٌ مَّجْنُوْنٌ ۔ (الدخان ع ۱) نے اس کی طرف سے منہ پھیر لیا، اور بولے، کہ یہ تو سکھایا پڑھایا ہوا دیوانہ ہے۔

جواب میں خود پیمبرؐ کی زبان سے کہلایا گیا، کہ ذرا سوچو تو، اور الگ الگ بھی اور مل جل کر بھی سوچو، کہ مجھ میں جنون کا کون سا شائبہ ہے۔

(۱۴۴) قُلْ اِنَّمَآ اَعِظُكُمْ بِوَاحِدَةٍ اَنْ تَقُوْمُوْا لِلّٰهِ مَثْنٰى وَفُرَادٰى ثُمَّ تَتَفَكَّرُوْا مَا بِصَاحِبِكُمْ مِّنْ جِنَّةٍ ۔ (السبا ۔ ع ۶) آپ کہئے کہ اچھا میں ایک بات کی تمہیں نصیحت کرتا ہوں کہ تم دو دو اور ایک ایک اللہ کے لئے کھڑے ہو جاؤ، پھر یہ سوچو، کہ تمہارے رفیق (یعنی پیمبرؐ) میں (کسی درجہ میں بھی) جنون نہیں۔

اور اس قسم کی جوابی آیتیں جو قرآن مجید میں آئی ہیں۔

(۱۴۵) مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوٰى ۔ (النجم ۔ ع ۱) تمہارے (یہ) رفیق نہ بہکے نہ بھٹکے۔

(۱۴۶) اَفْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَمْ بِهٖ جِنَّةٌ (السبا ۔ ع ۱) اس نے اللہ پر یا تو جھوٹ گھڑ لیا ۔ یا اسے جنون ہے؟

(۱۴۷) مَا صَاحِبُكُمْ بِمَجْنُوْنٍ ۔ (التکویر) تمہارے (یہ) رفیق (ذرا بھی) مجنون نہیں۔

(۱۴۸) مَآ اَنْتَ بِنِعْمَةِ رَبِّكَ بِمَجْنُوْنٍ (القلم ۔ ع ۱) اور آپ اپنے رب کے فضل سے مجنون نہیں۔

(۱۴۹) وَلَا بِقَوْلِ كَاهِنٍ ۔ (الحاقہ ۔ ع ۱) اور (یہ) کلام کاہن کا نہیں۔

(۱۵۰) فَمَآ اَنْتَ بِنِعْمَتِ رَبِّكَ بِكَاهِنٍ وَّلَا مَجْنُوْنٍ ۔ (الطور ۔ ع ۱) آپ اپنے رب کے فضل سے نہ کاہن ہی ہیں اور نہ مجنون۔

صاف اس پر دلالت کرتی ہیں، کہ آپؐ کو 'ضال' 'غوی' 'مجنون' 'کاہن' سب کچھ کہا گیا اور سمجھا گیا۔ توہین، تحقیر، تفضیح کا کوئی درجہ اس کے بعد بھی باقی رہ جاتا ہے؟

اور مجنون تو آپ کو کھلم کھلا کہا گیا۔

(۱۵۱) وَيَقُوْلُوْنَ اِنَّهٗ لَمَجْنُوْنٌ ۔ (القلم ۔ ع ۲) اور (آپ کے لئے یہ لوگ) کہتے ہیں کہ یہ یقیناً مجنون ہیں۔

(۱۵۲) وَقَالُوْا يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْ نُزِّلَ عَلَيْهِ الذِّكْرُ اِنَّكَ لَمَجْنُوْنٌ ۔ (الحجر ۔ ع ۱) اور یہ لوگ کہتے ہیں کہ اے وہ شخص جس پر (اس کے خیال کے مطابق) قرآن اتارا گیا ہے تم تو ضرور ہی مجنون ہو۔

اور آپؐ کے لئے گھڑنے والے (مفتری) کا لقب تو عام تھا۔

(۱۵۳) قَالُوْٓا اِنَّمَآ اَنْتَ مُفْتَرٍ۔ (النحل۔ ع۱۴) کہتے ہیں کہ تم تو بس مفتری ہی ہو۔

آپ کے پیام و دعوت پر حیرت سب کو تھی، اور آپؐ کے دعوے توحید پر اظہار حیرت ہی کیا کرتے تھے۔

(۱۵۴) وَعَجِبُوْٓا اَنْ جَآءَهُمْ مُّنْذِرٌ مِّنْهُمْ۔ (ص۔ ع۱) اس پر انہیں حیرت ہے کہ انہیں میں سے ایک ڈرانے والا پیدا ہو گیا۔

(۱۵۵) اَجَعَلَ الْاٰلِهَةَ اِلٰهًا وَّاحِدًا اِنَّ هٰذَا لَشَیْءٌ عُجَابٌ۔ (ص۔ ع۱) اُنہوں نے سارے خداؤں کو ایک خدا کر دیا۔ یہ بات تو بڑی ہی عجیب ہے۔

(۱۵۶) مَا سَمِعْنَا بِهٰذَا فِی الْمِلَّةِ الْاٰخِرَةِ اِنْ هٰذَآ اِلَّا اخْتِلَاقٌ۔ (ایضاً) یہ بات پچھلے مذہب میں تو ہم نے سُنی نہیں یہ تو ایک نری گھڑی ہوئی چیز ہے۔

(۱۵۷) عَجِبُوْٓا اَنْ جَآءَهُمْ مُّنْذِرٌ مِّنْهُمْ فَقَالَ الْكٰفِرُوْنَ هٰذَا شَیْءٌ عَجِیْبٌ۔ (قٓ۔ ع۱) انہیں اس پر حیرت ہے کہ انہیں میں سے ایک ڈرانے والا آیا، کافر کہتے ہیں کہ یہ عجب بات ہے۔

غرض یہ کہ آپؐ کی رسالت پر انکار شدید تحقیر و اہانت کے ساتھ ملا ہوا، سب صورتوں میں مشترک رہا۔

(۱۵۸) وَيَقُوْلُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا لَسْتَ مُرْسَلًا۔ (الرعد۔ ع۶) کافر کہتے ہیں کہ تم رسول نہیں ہو۔

اور آپؐ سے یہ لوگ لڑتے جھگڑتے رہتے۔

(۱۵۹) یُجَادِلُوْنَكَ فِی الْحَقِّ۔ (الانفال۔ ع۱) آپ سے یہ لوگ حق کے بارے میں جھگڑتے ہیں۔

انکار و تکذیب پر برابر قائم رہے،

(۱۶۰) اَمْ لَمْ یَعْرِفُوْا رَسُوْلَهُمْ فَهُمْ لَهٗ مُنْكِرُوْنَ۔ (المومنون۔ ع۴) کیا یہ لوگ اپنے رسول سے (یعنی ان کے خصوصیات سے) واقف نہ تھے! اور اس لئے اُن کے منکر ہیں۔

آپؐ کا اعزاز و اکرام الگ رہا۔ آپؐ کے ساتھ مسخر اُن کا عام شیوہ تھا۔

(۱۶۱) وَاِذَا رَاٰكَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ یَّتَّخِذُوْنَكَ اِلَّا هُزُوًا۔ (الانبیاء۔ ع۳) جب آپ کو یہ کافر لوگ دیکھتے ہیں، تو بس آپ کو تمسخر ہی کا نشانہ بنا لیتے ہیں۔

طنز و تمسخر سے کہتے کہ کیا یہی حضرت ہیں جنہیں رسول بنا کر بھیجا گیا ہے۔

(۱۶۲) وَاِذَا رَاَوْكَ اِنْ یَّتَّخِذُوْنَكَ اِلَّا اور جب آپ کو یہ دیکھتے ہیں تو بس تمسخر ہی کرنے لگتے

هُزُوًا اَهٰذَا الَّذِیْ بَعَثَ اللّٰہُ رَسُوْلًا۔ (الفرقان۔ ع) ہیں، کہ کیا یہ وہ ہیں، جنہیں اللہ نے رسول بنا کر بھیجا ہے۔

اسی استہزاء عام کے مقابلہ میں آپ کی حفاظت کا وعدہ کیا گیا۔

(۱۶۳) اِنَّا کَفَیْنٰکَ الْمُسْتَهْزِئِیْنَ۔ (الحجر۔ ع) ان استہزا کرنے والوں سے ہم آپ کے لئے کافی ہیں۔

بہرصورت آپ کو اذیت ہی پہنچاتے رہے۔

(۱۶۴) ذٰلِکَ بِاَنَّهُمْ شَآقُّوا اللّٰہَ وَرَسُوْلَهٗ۔ (الانفال۔ ع ۲) یہ اس لئے ہوا کہ یہ لوگ تکلیف پہنچاتے رہے اللہ اور اس کے رسول کو۔

طنز و تعریض کے ساتھ کہتے کہ یہ کیسے رسول ہیں، جو بازاروں میں چلتے پھرتے ہیں اور کھاتے پیتے بھی رہتے ہیں۔

(۱۶۵) قَالُوْا مَالِ هٰذَا الرَّسُوْلِ یَاْکُلُ الطَّعَامَ وَیَمْشِیْ فِی الْاَسْوَاقِ۔ (الفرقان۔ ع ۱) بولے کہ اس رسول کو یہ کیا ہو گیا ہے، کہ کھانا کھاتا ہے۔ اور بازاروں میں چلتا ہے۔

اور چونکہ قرآن مجید کو تصنیف محمدی سمجھتے ہیں، قدرتاً آپ سے اس کی بھی فرمائش کرتے کہ فلاں قسم کے بجائے فلاں قسم کی آیتیں لائیے۔

(۱۶۶) وَاِذَا تُتْلٰی عَلَیْهِمْ اٰیٰتُنَا بَیِّنٰتٍ قَالَ الَّذِیْنَ لَا یَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا ائْتِ بِقُرْاٰنٍ غَیْرِ هٰذَآ اَوْ بَدِّلْهُ۔ (یونس۔ ع ۲) اور جب ان پر ہماری کھلی ہوئی آیتیں پڑھی جاتی ہیں تو جن لوگوں کو ہماری ملاقات کا یقین ہی نہیں، وہ کہتے ہیں کہ کوئی دوسرا قرآن لے آؤ یا اسی میں تبدیلی کر دو۔

رسول کو جب کوئی خوشگوار واقعہ پیش آتا، تو یہ لوگ کڑھتے۔ اور جب آپ کو کوئی ناگواری پیش آتی، تو اس پر خوشی مناتے۔

(۱۶۷) اِنْ تُصِبْکَ حَسَنَةٌ تَسُؤْهُمْ وَاِنْ تُصِبْکَ مُصِیْبَةٌ یَّقُوْلُوْا قَدْ اَخَذْنَآ اَمْرَنَا مِنْ قَبْلُ وَیَتَوَلَّوْا وَّهُمْ فَرِحُوْنَ۔ (التوبۃ۔ ع) اگر آپ کو کوئی خوشی پیش آتی ہے۔ تو انہیں رنج ہوتا ہے۔ اور اگر آپ کو کوئی افتاد پیش آجاتی ہے تو کہتے ہیں کہ ہم نے تو پہلے ہی احتیاط اختیار کر لی تھی۔ اور خوش ہوتے چلے جاتے ہیں۔

آپ کے لیے بدتمیزی کے فقرے بھی استعمال کرتے رہتے۔

(۱۶۸) مِنْهُمُ الَّذِیْنَ یُؤْذُوْنَ النَّبِیَّ وَیَقُوْلُوْنَ هُوَ اُذُنٌ۔ (التوبۃ۔ ع ۸) ان میں وہ لوگ بھی ہیں۔ جو پیمبر کو ستاتے رہتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ کان کے کچے ہیں۔

اور بھی طرح طرح سناتے۔

(۱۶۹) وَاِنْ يَّكَادُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَيُزْلِقُوْنَكَ بِاَبْصَارِهِمْ لَمَّا سَمِعُوا الذِّكْرَ۔ (القلم۔ ع۲)
اور جو کافر ہیں جب قرآن سنتے ہیں، تو قریب ہوتا ہے کہ اپنی نظروں سے گھور گھور کر آپ کو جگہ سے ہٹا ہی دیں گے۔

آپؐ کی مجلس میں بیٹھتے بھی تو بات بڑی بے توجہی سے سنتے۔

(۱۷۰) وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّسْتَمِعُ اِلَيْكَ حَتّٰى اِذَا خَرَجُوْا مِنْ عِنْدِكَ قَالُوْا لِلَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ مَاذَا قَالَ اٰنِفًا۔ (محمد۔ ع۲)
انہیں میں بعض لوگ ایسے بھی ہیں کہ آپ کی طرف کان لگاتے ہیں۔ لیکن جب وہ آپ کے پاس سے باہر جاتے ہیں۔ تو جو اہل علم ہیں۔ ان سے پوچھتے ہیں کہ اس شخص نے ابھی کیا کہا تھا۔

اور فلاں فلاں مضمون کی آیتیں جب ہوتیں تو یہ لوگ انتہائی خوف و حزن کے ساتھ آپؐ کی طرف دیکھتے اور ان کے چہروں پر مردنی چھا جاتی۔

(۱۷۱) رَاَيْتَ الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ يَّنْظُرُوْنَ اِلَيْكَ نَظَرَ الْمَغْشِيِّ عَلَيْهِ مِنَ الْمَوْتِ۔ (محمد۔ ع۳)
آپ ان لوگوں کو کہ جن کے دلوں میں بیماری ہے، دیکھیں گے آپ کی طرف اس شخص کا دیکھنا دیکھتے ہیں، جس پر موت کے خوف سے بے ہوشی طاری ہو۔

فخر سے کہتے، کہ ہم پر تبلیغ کا اثر مطلق نہ ہوگی، ہمارے عقیدے ہمارے دلوں میں خوب راسخ ہیں۔

(۱۷۲) فَاَعْرَضَ اَكْثَرُهُمْ فَهُمْ لَا يَسْمَعُوْنَ وَقَالُوْا قُلُوْبُنَا فِيْٓ اَكِنَّةٍ مِّمَّا تَدْعُوْنَآ اِلَيْهِ وَفِيْٓ اٰذَانِنَا وَقْرٌ وَّمِنْۢ بَيْنِنَا وَبَيْنِكَ حِجَابٌ۔ (حٰمٓ السجدہ۔ ع۱)
ان میں سے بہتوں نے منہ پھیر لیا۔ پھر وہ سنتے ہی نہیں اور کہتے ہیں کہ ہم جس بات کی طرف ہم کو بلاتے ہو، اس کی طرف سے ہمارے دل پردوں میں ہیں۔ اور ہمارے کانوں میں ڈاٹ ہے اور ہمارے تمہارے درمیان ایک حجاب ہے۔

قرآن مجید نے جہاں ایسے سرکشوں ناہنجاروں کا انجام درج کیا ہے وہاں ان کا یہ جرم بھی تو بیان کر دیا ہے کہ یہ لوگ رسولؐ کی مخالفت کرتے رہتے ہیں۔

(۱۷۳) اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَشَآقُّوا الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْهُدٰى۔ (محمد۔ ع۴)
جو لوگ کافر ہیں اور اللہ کے راستہ سے روکتے ہیں اور بعد اس کے کہ ہدایت ان پر واضح ہو چکی ہے رسول کی مخالفت کرتے ہیں۔

حوصلے اور ارادے یہ تھے کہ آپؐ کو جلا وطن کر کے رہیں۔

(۱۷۴) وَاِنْ كَادُوْا لَيَسْتَفِزُّوْنَكَ مِنَ الْاَرْضِ لِيُخْرِجُوْكَ مِنْهَا۔ (بنی اسرائیل ۔ ع ۸)
اور قریب تھا کہ یہ لوگ آپ کے قدم اس سرزمین سے اکھاڑ دیں۔ تاکہ آپ کو یہاں سے نکال دیں۔

اخراج اور قید کیا معنی، آپ کے قتل تک کے منصوبے تیار ہو چکے تھے۔

(۱۷۵) وَاِذْ يَمْكُرُ بِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِيُثْبِتُوْكَ اَوْ يَقْتُلُوْكَ اَوْ يُخْرِجُوْكَ وَيَمْكُرُوْنَ وَيَمْكُرُ اللّٰهُ۔ (الانفال ۔ ع ۴)
اور وہ وقت بھی یاد کیجئے۔ جب یہ کافر لوگ آپ کی نسبت تدبیریں سوچ رہے تھے کہ آپ کو قید کریں یا آپ کو ہلاک کر ڈالیں یا آپ کو جلا وطن کر دیں یہ اپنی تدبیریں کر رہے تھے اور اللہ اپنی تدبیر کر رہا تھا۔

جب آپ عبادت کے لئے کھڑے ہوتے، تو ان کا منصوبہ یہ ہوتا کہ وہیں آپ پر ہجوم کر کے آپ کو وہاں ہی سے مار ڈالیں۔

(۱۷۶) وَاَنَّهٗ لَمَّا قَامَ عَبْدُ اللّٰهِ يَدْعُوْهُ كَادُوْا يَكُوْنُوْنَ عَلَيْهِ لِبَدًا۔ (الجن ۔ ع ۱)
اور جب اللہ کا بندہ (خاص) اس کی عبادت کو کھڑا ہوتا ہے تو قریب ہوتا ہے کہ یہ لوگ اس پر ہجوم کر کے اس کو مار ہی) دیں۔

اور غیر مخالفین و معاندین کا تو ذکر ہی نہیں۔ خود آپ پر ایمان رکھنے والے سب کے سب ایسے نہ تھے، کہ ہر حال میں آپ کی ہدایات ہی پر عامل رہتے۔ بشریت ان میں سے بھی بعض پر کبھی کبھی غالب آ ہی جاتی۔ قرآن مجید ہی کی شہادت ہے۔

(۱۷۷) وَاِذَا رَاَوْا تِجَارَةً اَوْ لَهْوًا انْفَضُّوْا اِلَيْهَا وَتَرَكُوْكَ قَائِمًا۔ (الجمعۃ ۔ ع ۲)
یہ لوگ جب کسی تجارت یا تماشے کی چیز کو دیکھ پاتے ہیں تو ادھر دوڑنے کو بکھر جاتے ہیں اور آپ کو کھڑا ہوا چھوڑ جاتے ہیں۔

اور ایک دوسرے پیمبر جلیل حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ ان کی امت بنی اسرائیل نے جو جو بدتہذیبیاں اور گستاخیاں کی ہیں! ان کا ذکر ابھی چند صفحہ اُدھر اسی باب میں گزر چکا ہے۔

غرض خود پیرووں، مقتدیوں اُمتیوں کی طرف سے بھی یہ نہ تھا کہ پیمبر ہر موقع پر عملاً و حالاً مطاع و مقتدا ہی بنے رہتے۔ حضرات انبیاء کو تو عین ان کے ظرف و مرتبہ کے مطابق۔ عام انسانوں سے کہیں بڑھ چڑھ کر قدم قدم پر درد اور دُکھ سہنے پڑے ہیں۔

(ختم شد)